ماہنامہ

اہل السنۃ
Ahl Us Sunnah
December 2023
دسمبر ۲۰۲۳ء

- مفت میں دینی کام کرنا اور مفت میں دینی کام کرانے کا فرق
- کسی حدیث پر عمل کرنے کے لیے ضروری نہیں کہ اس پر صحابہ یا کسی کا عمل ثابت ہو
- جماعتی نام ''اہل حدیث'' قرآن وحدیث کی روشنی میں
- عقیدۂ توحید کی اہمیت وفضیلت قرآن وحدیث کی روشنی میں

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر
"Welcome to Knowledge. Welcome to Understanding"

بچوں کو مارنے والا
خبیث استاذ

عن ابن عباس، قال: "كان ناس من الأسرى يوم بدر لم يكن لهم فداء ، فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم فداء هم أن يعلموا أولاد الأنصار الكتابة، قال : فجاء غلام يوما يبكي إلى أبيه، فقال:ما شأنك؟ قال:ضربني معلمي.قال:الخبيث، يطلب بذحل بدر!والله لا تأتيه أبد".

ترجمہ:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بدر کے قیدیوں میں کچھ لوگ ایسے تھے جن کے پاس فدیہ دینے کے لیے کچھ نہ تھا تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا فدیہ اس بات کو قرار دیا کہ وہ انصار کے بچوں کو کتابت سکھا دیں، چنانچہ ایک دن ایک انصاری بچہ روتے ہوئے اپنے والد کے پاس آیا تو والد نے پوچھا: کیا بات ہے؟ بچے نے جواب دیا: میرے استاذ نے مجھے مارا ہے۔ یہ سن کر والد نے کہا: یہ خبیث جنگ بدر کا بدلہ میرے بچے سے لینا چاہتا ہے، بیٹا تم دوبارہ اس کے پاس پڑھنے کبھی مت جانا"۔[مسند أحمد:٤/٩٢،رقم:٢٢١٦،ط الرسالة ، وحسنه المعلقون على المسند وهو كذلك]

آج بھی ایسے اساتذہ ہیں جو کہیں اور کا غصہ بچوں پر اتارتے ہیں۔

Ahlus Sunnah

Volume No.11, Issue No.143, December, 2023

ماہنامہ

دسمبر ۲۰۲۳ء

جلد: ۱۱ | فی شمارہ Rs. 40/-

شمارہ: ۱۴۳ | سالانہ Rs. 400/-

سرپرست : رضاء اللہ عبدالکریم مدنی — نگراں : عبدالشکور عبدالحق مدنی

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی — رابطہ نمبر: 8657458182

نائب ایڈیٹر: خلیل الرحمٰن سنابلی — رابطہ نمبر: 8291063765

معاونین : ابوالبیان رفعت سلفی • حافظ امتیاز احمد رحمانی

فورمیٹنگ: شفیق احمد محمد عدیل محمدی • گرافک ڈیزائنر: طارق بن عبدالرحیم شیخ

سی،ای،او : زید خالد پٹیل

مجلس مشاورت

• شیخ محفوظ الرحمٰن فیضی • دکتور عبید الرحمٰن مدنی • شیخ نور الحسن مدنی • شیخ محمد جعفر الہندی

نوٹ : اپنے مضامین کی اشاعت، مفید مشوروں اور میگزین ممبرشپ کے لیے اوپر دیئے گئے نمبرات پر رابطہ کریں۔

خط وکتابت وترسیل زر کا پتہ:

Bank Details: • Current Account : ICICI Bank • Account Name : Ahl us Sunnah
A/c No:102805001781 • IFSC Code : ICIC0001028 • Andheri Link Road Branch

Add:Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070 | Ph. : 8080807836

Website : http://ahlussunnah.net | Email: ahlussunnah.m@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at: Bhandup Offset & Designers, 1009 Bhandup Indl.. Estate, Pannalal Compound, LBS Marg, Bhandup (West), Mumbai - 400078

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road, Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مفت میں دینی کام کرنا اور مفت میں دینی کام کرانے کا فرق	کفایت اللہ سنابلی	05
کسی حدیث پر عمل کرنے کے لیے ضروری نہیں کہ اس پر صحابہ یا کسی کا عمل ثابت ہو	ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر	07
جماعتی نام ''اہل حدیث'' قرآن وحدیث کی روشنی میں	کفایت اللہ سنابلی	11
زانیہ حاملہ کی زنا کرنے والے کے ساتھ شادی (آخری قسط)	کفایت اللہ سنابلی	15
غیر مسلم تیوہار کی مٹھائی: تجزیاتی تحریر کا جائزہ	کفایت اللہ سنابلی	22
تربیت اولاد کے سنہرے اصول	سفیان احمد سلفی	29
طلاق حیض، فتویٰ ابن عمر سے متعلق ابن عمر رضی اللہ عنہ اور..... (قسط اول)	کفایت اللہ سنابلی	32
عقیدۂ توحید کی اہمیت وفضیلت قرآن وحدیث کی روشنی میں	فرزانہ صالحاتی	41

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں

اداریہ

مفت میں دینی کام کرنا اور مفت میں دینی کام کرانے کا فرق

کفایت اللہ سنابلی

کہتے ہیں کہ سلف کا عام معمول یہ تھا کہ وہ خطبات و دروس اور تعلیم و تدریس کے پیسے نہیں لیتے تھے۔

عرض ہے کہ سلف جب پیسے نہیں لیتے تھے تو وہ ان کاموں کو مکمل طور پر اپنی مرضی سے انجام دیتے تھے۔

مثلاً:

☆ درس کا وقت اور ٹائم خود اہل علم کا طے کردہ ہوتا تھا، سیکھنے والوں کا یا کسی انتظامیہ کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا تھا۔ لوگ انہیں اپنے اپنے علاقوں میں بلاتے نہیں تھے بلکہ یہ اہل علم جہاں بھی ہوتے سیکھنے والے خود چل کر ان کے پاس آتے تھے۔

ٹاپک اور موضوع بھی وہی ہوتا تھا جس کا علم ان اہل علم کو پہلے سے ہوتا تھا، یہ دوسروں کے دیئے ہوئے نئے موضوعات لے کر پھر اس کی تیاری کا بوجھ نہیں اٹھاتے تھے۔

اس صورت میں ایک عالم کی خدمات لی نہیں جاتی ہیں بلکہ وہ از خود مفت میں اپنی خدمات پیش کرتا ہے بالفاظ دیگر یہ کہہ لیں کہ اس صورت میں عالم کی حیثیت ایک متبرع (volunteer) کی ہوتی تھی اجیر (Hired) کی نہیں۔

اور سچ پوچھو تو آج بھی اہل علم کی یہ روایت باقی ہے۔ آج بھی جو علماء اپنی مرضی سے، اپنی جگہ پر، اپنے وقت پر اور اپنے موضوع پر بولتے یا لکھتے ہیں اس کی کوئی اجرت نہیں لیتے۔

آج کتنے علماء ہیں جو بڑی محنت اور مشقت کے بعد خود کوئی مضمون لکھتے ہیں اور مفت میں ہدیۃ قارئین کر دیتے ہیں۔

اسی طرح کتنے علماء ہیں جو اپنے دروس کو ویڈیوز کی شکل میں ریکارڈ کر کے مفت میں سامعین کے لیے سوشل میڈیا پر نشر کر دیتے ہیں۔

اسی طرح بعض علماء اپنے پرسنل اکاؤنٹ سے، اپنے گھر اور اپنے مناسب وقت پر خود فیس بک یا یوٹیوب پر لائیو آتے ہیں، درس دیتے ہیں یا سوال و جواب کی مجلس رکھتے ہیں مگر کوئی معاوضہ نہیں لیتے۔

☆ اس کے برعکس آج ایک صورت یہ ہے کہ کچھ لوگ یا کچھ ادارے والے اپنے علاقہ میں کوئی پروگرام رکھتے ہیں اور اس میں درس و تقریر کے لیے باہر سے کسی عالم کو بلاتے ہیں۔

اس صورت میں عالم نہ تو اپنی جگہ پر ہوتا ہے، نہ اپنے فری وقت میں یہ کام کرتا ہے اور نہ ہی اس کا یہ عمل محنت و مشقت سے خالی ہوتا ہے۔

اس صورت میں ایک عالم اپنی خدمات ازخود پیش نہیں کرتا بلکہ اس کی خدمات لی جاتی ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ کہہ لیں کہ اس صورت میں ایک عالم کی حیثیت ایک متبرع (volunteer) کی نہیں بلکہ اجیر (Hired) کی ہوتی ہے۔

(۱) علاوہ بریں فی زماننا زندگی گزارنے کے لیے اخراجات بڑھ گئے ہیں۔

(۱) پہلے کہیں بھی جھوپڑا باندھ کر رہائش اختیار کرنا آسان تھا مگر آج جتنا راشن پر خرچ نہیں آتا اس کے دوگنا بلکہ تین گنا زیادہ خرچ مکان کے کرایہ پر آتا ہے۔

(۲) پہلے گھر کے مینٹنیس کے اخراجات نہیں تھے، مگر آج لائٹ بل، پانی کا بل، انٹرنیٹ کا بل، صاف صفائی کا خرچ اور نہ جانے کیسے کیسے اخرجات کا اضافہ ہوگیا ہے۔

(۳) پہلے مقامی ٹریلونگ کا خرچ نا کے برابر تھا، گھوڑے اور گدھے وغیرہ سے کام چلتا تھا مگر آج مقامی ٹریلونگ میں بھی اچھا خاصہ ماہانہ خرچ ہوتا ہے۔

(۴) پہلے بچوں کی تعلیم میں زیادہ خرچ نہیں تھا، آج بچوں کی تعلیم اس قدر مہنگی ہے کہ عوام کی ایک بڑی تعداد اس کی متحمل ہی نہیں ہوتی۔

(۵) اور آج کے دور کا سب سے بڑا خرچ علاج معالجہ کا ہے جو لگا رہتا ہے، بلکہ ایک بچہ کی پیدائش اگر آپریشن سے ہو تو صرف اسی کیس میں لاکھوں تک بل آجاتا ہے۔

ان حالات میں آج بھی ایک عالم اگر دوسروں کے طلب پر مفت میں کام کرتا پھرے تو بھلا بتلائیے اس کے اہل وعیال زندہ کیسے رہیں گے؟

(۲) نیز یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ گھریلو اخراجات پورے کرنے کے لیے ایک عالم کی یومیہ ذاتی سرگرمیاں ہوتی ہیں، مثلاً نوکری، پارٹ ٹائم جاب، بامعاوضہ کچھ کام وغیرہ۔

اور اس طرح کے کام الگ الگ افراد کے اعتبار سے اس قدر پرسنل انداز کے ہوتے ہیں کہ ان کا پرچار کرنا اور ان کے حوالے دینا بھی قطعاً مناسب نہیں ہوتا۔

اب اگر دو دن کے لیے اس عالم کو کہیں جانا پڑا تو آمد و رفت کے خرچ کے علاوہ دو دن کی اس کی جو آمدنی تھی اس کا بھی نقصان ہوگا۔ اس کی بھرپائی کون کرے گا؟

(۳) ان سب کے ساتھ ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ پہلے علماء کو نوازنے کی جو روایت تھی آج وہ روایت بھی ختم ہوچکی ہے۔

ان تمام حالات میں آج اگر ایک عالم دوسروں کے بلانے پر مفت میں دورے کرتا رہے تو بتائیں اس کے گھر کا خرچ کیسے چلے گا؟

کسی حدیث پر عمل کرنے کے لیے ضروری نہیں کہ اس پر صحابہ یا کسی کا عمل ثابت ہو

ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر (استاذ جامعہ سلفیہ بنارس)

قاعدہ کی تشریح: کسی حدیث پر عمل کرنے کے لیے یہ شرط لگانا درست نہیں ہے کہ اس کے مطابق صحابہ یا سلفِ صالحین میں سے کسی کا عمل ثابت ہو۔ اس لیے جب صحتِ حدیث کے لیے یہ شرط نہیں لگائی جاتی ہے تو اس پر عمل کرنے کے لیے کیوں کر لگائی جاسکتی ہے؟ صحیح حدیث بذاتِ خود حجت ہے اسے قبول کرنے یا اس پر عمل کرنے کے لیے کسی اور شرط کی ضرورت نہیں۔ نیز اگر حدیث کے مطابق اسلاف میں کسی کا عمل نہ ملے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انہوں نے اس پر عمل ہی نہیں کیا۔ بلکہ سلفِ صالحین اور خاص طور پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے یہ بعید ہے کہ ان تک حدیثِ نبوی پہنچے اور وہ اس پر عمل نہ کریں اور اگر کسی کے بارے میں یہ ثابت ہوجائے کہ انہوں نے حدیث ملنے کے بعد بھی اس پر عمل نہیں کیا تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ حدیث ان کے نزدیک منسوخ ہو یا اس سے قوی دلیل ان کے پاس موجود ہو۔

احکام کی بہت کم ایسی حدیثیں ہیں جن پر امت میں سے کسی نے عمل نہ کیا ہو۔ امام ترمذی رحمہ اللہ (۲۷۹ھ) نے اپنی کتاب ''سنن'' کی احادیث کے تعلق سے کہا کہ اس کی تمام احادیث معمول بہ ہیں سوائے دو حدیثوں کے اور ابن رجب نے بعض اور احادیث کا اضافہ کیا ہے اور ان احادیث کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ (م۲۷۹ھ) فرماتے ہیں:

''جميع ما فی هذا الكتاب معمول به ، وقد أخذ به بعض العلماء، ما خلا حديثين''

''اس کتاب میں مذکورہ تمام احادیث پر عمل کیا گیا ہے اور کچھ نہ کچھ علماء نے اسے اختیار کیا ہے سوائے دو حدیثوں کے'' [العلل الصغير۔مطبوع آخر السنن:٦/٢٢٧]

اس کے بعد آپ نے دونوں حدیثوں کا ذکر کیا ہے۔

البتہ اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ احادیثِ نبویہ کو سلفِ صالحین کے اقوال اور افعال کی روشنی میں سمجھنا ضروری ہے اور جس مقتضائے حدیث پر عمل نہ کرنے پر صحابہ، تابعین اور دیگر اسلاف کا اجماع ہوجائے اس پر عمل ترک کر دیا جائے گا۔

ابن رجب رحمہ اللہ (م۷۹۵ھ) فرماتے ہیں:

''ومتى أجمع علماء الامة على اطراح العمل بحديث وجب اطراحه ، وترك العمل به''

''جب کسی حدیث کو عملاً چھوڑ دینے پر علمائے امت کا اجماع ہوجائے تو اس حدیث کو اور اس پر عمل کرنے کو ترک کر دینا واجب ہے'' [سير الحاث الى علم الطلاق الثلاث ، ابن عبد الهادی:(ص:٤٥٣)]

قاعدے کی توثیق: امام شافعی رحمہ اللہ (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں: **"حدیث رسول اللہ ﷺ یثبت بنفسہ، لا بعمل غیرہ بعدہ"** ''رسول اللہ ﷺ کی حدیث بذات خود ثابت ہوتی ہے، صحت حدیث کے لیے کسی اور کے عمل کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔ [الرسالة:ص:٤٢٤]

ابن قدامہ رحمہ اللہ (م ۶۲۰ھ) لکھتے ہیں: **"الخبر اذا صحّ کان حجّة من غیر اعتبار شرط آخر"** ''حدیث جب صحیح ہو جائے تو وہ حجت ہے اس میں کسی اور شرط کا اعتبار نہیں کیا جائے گا'' [المغنی: ٢٧٥/١]

امام ابن القیم رحمہ اللہ (م ۷۵۱) فرماتے ہیں:

"لا یعرف امام من أئمة الاسلام ألبتة قال: لا نعمل بحدیثِ رسولِ اللہ ﷺ حتی تعرف مَن عمل به" ''ائمہ اسلام میں سے کسی نے قطعاً یہ نہیں کہا کہ ہم حدیث رسول ﷺ پر اسی وقت عمل کریں گے جب اس کے مطابق کسی کا عمل کرنا معلوم ہو جائے'' [اعلام الموقعین: ١٨٠/٦]

اس کے علاوہ اس قاعدے کے درج ذیل مآخذ ہیں:

۱۔ جب کسی قولی حدیث کے ثابت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے مطابق نبی کریم ﷺ کا عمل ثابت ہو تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یا کسی اور عالم کا عمل ثابت ہونا بدرجۂ اولیٰ لازم نہیں آئے گا۔

۲۔ کسی حدیث کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا بھی محل نظر ہے کہ کسی صحابی نے اس پر عمل نہیں کیا ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف علاقوں اور شہروں میں پھیل گئے تھے اور تمام صحابۂ کرام کے سبھی اقوال اور افعال کو جمع کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کا اس قدر اہتمام نہیں کیا گیا ہے جتنا کہ حدیث نبوی کا۔ لہٰذا اس بات کا قوی احتمال باقی رہتا ہے کہ کسی نے اس پر عمل کیا ہو مگر ہم تک وہ نقل نہ کیا گیا ہو اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے عمل کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی ہے۔

۳۔ جب صحابی کا قول یا عمل کسی ثابت حدیث کے خلاف ہو تو اسے اس وجہ سے ترک کر دیا جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے ان تک یہ حدیث نہ پہنچی ہو تو اگر ان سے کوئی عمل منقول نہ ہو تو بدرجۂ اولیٰ اسے کسی حدیث پر عمل کرنے کے لیے ضروری نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ صحابۂ کرام اور سلفِ صالحین کے پاس جب نبی کریم ﷺ کی سنت پہنچتی تھی تو وہ فوراً اس پر عمل کرتے تھے۔ رسول ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قصے معروف ومشہور ہیں اور ہر ثابت سنت کے بارے میں ان کے تعلق سے یہی اصول ہے۔

ان کا حال اس واقعے کے مصداق تھا کہ ربیع بن سلیمان نے کہا کہ میں نے ایک شخص کو شافعی رحمہ اللہ سے کسی مسئلہ

کے بارے میں پوچھتے ہوئے سنا۔امام صاحب نے کہا: اس مسئلہ میں نبی کریم ﷺ سے فلاں فلاں حدیث مروی ہے۔ سائل نے کہا: اے ابوعبداللہ! آپ کا بھی یہی قول ہے؟ ربیع کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو دیکھا کہ ان پر کپکپی طاری ہوگئی اور کہنے لگے:

"یا هذا،أی أرض تقلنی، وأی سماءٍ تظلنی ، اذا رویتُ عن النبی ﷺ حدیثاً فلم أقل به؟ نعم علی السّمع والبصر ، نعم علی السّمع والبصر"

"اے اللہ کے بندے! کون سی زمین مجھے پناہ دے گی؟ اور کون سا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہوگا؟ جب میں نبی ﷺ کی کوئی حدیث روایت کروں اور پھر اس کے خلاف کوئی بات کہوں۔ ہاں! حدیث میرے سر آنکھوں پر، ہاں! حدیث میرے سر آنکھوں پر" [الفقیه و المتفقه: ۳۸۹/۱]

لہٰذا کسی حدیث کے بارے میں یہ دعویٰ کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم تک پہنچی لیکن انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا، دلیل کا محتاج ہوگا، کیونکہ اصل کے خلاف ہے۔

قاعدے کی اہمیت: کسی حدیث پر عمل کرنے کے لیے صحابی یا کسی کا عمل ثابت ہونے کی قید لگانے سے حدیث کی تشریعی حیثیت متاثر ہوتی ہے۔اس کے بذات خود حجت ہونے کی نفی ہوتی ہے اور بہت سی احادیث کا انکار لازم آتا ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ (م ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

"ولو ترُکتِ السُّننُ للعمل لتعطَّلت سننِ رسولِ اللّٰه ﷺ ، ودَرَسَتْ رسومها ، وعَفَتْ آثارها، وکم من عملٍ قداطرد بخلافِ السنة الصَّریحة علٰی تقادُمِ الزمان، والی الآن، وکلُّ وقتٍ تُترَک سنةٌ، ویُعمل بخلافها ،ویَستمر علیها العملُ فتجده یسیراً من السنة معمولاً به علٰی نوعِ تقصیرٍ. وخذْ بلا حسبان ماشاء اللّٰه من سننٍ قد أُهمِلَت، وعُطِّلَ العملُ بها جملةً ،فلو عَمِلَ بها مَن یعرفها لقال الناس: تُرِکَتِ السنة".

"اگر احادیث کو اس بنیاد پر ترک کر دیا جائے کہ لوگوں کا عمل اس کے خلاف ہے تو اس طرح رسول اللہ ﷺ کی بہت ساری حدیثیں معطل ہو جائیں گی اور سنت کی نشانیاں مٹ جائیں گی کیونکہ کتنے اعمال ایسے ہیں جو صریح سنت کے مخالف ہونے کے باوجود قدیم زمانے سے آج تک جاری ہیں بلکہ ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی سنت متروک ہوتی ہے اور اس کے خلاف لوگوں کا عمل رہتا ہے اور یہ عمل لگاتار جاری بھی رہتا ہے یہاں تک کہ اگر بعد میں اس سنت پر کوئی عمل کرنے لگے تو لوگ کہتے ہیں کہ اس نے ہی سنت کو ترک کر دیا" [الفقیه و المتفقه: ۳۷۴/۳-۳۷۵]

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ”إِذَا قِيلَ لِأَحَدِهِمْ: (ثَبَتَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ كَذَا وَكَذَا) يَقُولُ: مَنْ قَالَ بِهٰذَا؟ وَيَجْعَلُ هٰذَا دَفْعًا فِي صَدْرِ الْحَدِيثِ، أَوْ يَجْعَلُ جَهْلَهُ بِالْقَائِلِ (بِهِ) حُجَّةً لَهُ فِي مُخَالَفَتِهِ وَتَرْكِ الْعَمَلِ بِهِ، وَلَوْ نَصَحَ نَفْسَهُ لَعَلِمَ أَنَّ هٰذَا الْكَلَامَ مِنْ أَعْظَمِ الْبَاطِلِ، وَأَنَّهُ لَا يَحِلُّ لَهُ دَفْعُ سُنَنِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ هٰذَا الْجَهْلِ، وَأَقْبَحُ مِنْ ذٰلِكَ عُذْرُهُ فِي جَهْلِهِ، إِذْ يَعْتَقِدُ أَنَّ الْإِجْمَاعَ مُنْعَقِدٌ عَلٰى مُخَالَفَةِ تِلْكَ السُّنَّةِ، وَهٰذَا سُوءُ ظَنٍّ بِجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ، إِذْ يَنْسُبُهُمْ إِلَى اتِّفَاقِهِمْ عَلٰى مُخَالَفَةِ سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“

”بعض لوگوں کے سامنے جب نبی کریم ﷺ سے کوئی ثابت حدیث پیش کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ کس عالم نے یہ قول اختیار کیا ہے؟ پھر قائل کی جہالت کو بنیاد بنا کر حدیث کو وہ رد کر دیتے ہیں یا اس کی حجیت پر سوال اٹھا کر اس پر عمل کرنا ترک کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اپنے لیے خیر خواہ ہوتے تو یقیناً اس کا ادراک کر لیتے کہ یہ کلام باطلِ محض ہے۔ اس طرح کی جاہلانہ باتوں سے سنت کو رد کر دینا انتہائی خطرناک ہے کیونکہ گویا وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس سنت کی مخالفت پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور یہ مسلمانوں کے ساتھ بدگمانی ہے کیونکہ وہ ان پر حدیثِ نبوی کی مخالفت پر متفق ہونے کی تہمت لگا رہے ہیں“ [اعلام الموقعین: ۱۵۳/۵]

فقہاء اور علمائے اصول کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر صحابی کی رائے اس کی روایت کے خلاف ہو یا اس کا عمل حدیث کے مخالف ہو تو کس کو اختیار کیا جائے؟ راجح قول کے مطابق حدیث کو مقدم کیا جائے گا۔ صحابی کی مخالفت کی وجہ سے اسے معلول نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ حق یہ ہے کہ حدیث کی بذات خود حجیت مسلم ہے اگرچہ اس کے مطابق عمل کرنا کسی صحابی سے منقول نہ ہو یا اس کے مخالف عمل مروی ہو نیز صحابہ کے بعد لوگوں سے منقول نہ ہونا بدرجۂ اولیٰ کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا۔

ایک اشکال کا ازالہ: یہاں اگر کوئی یہ اشکال پیش کرے کہ سلفِ صالحین تو نبی کریم ﷺ کے عمل کے ساتھ صحابۂ کرام اور خاص طور پر خلفائے راشدین کا عمل بھی پیش کرتے ہیں، جبکہ حجت کے لیے حدیثِ رسول ﷺ کافی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ سلف صالحین حدیث کی حجیت یا اس کی صحت کو ثابت کرنے کے لیے ایسا نہیں کرتے ہیں بلکہ حدیث کی تشریح یا اس کے مفہوم کی تعیین کے لیے صحابہ اور تابعین وغیرہ کے عمل کو پیش کرتے ہیں اور کبھی ایسا اس لیے بھی کرتے ہیں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ نبی کریم ﷺ کی اس سنت پر بعد کے لوگ بھی عمل پیرا تھے اور یہ سنت نہ تو منسوخ ہے اور نہ ہی مرجوح۔ جیسا کہ امام ملک رحمہ اللہ اکثر حدیث کی موافقت میں صحابہ اور خاص طور پر اہل مدینہ کا عمل پیش کرتے ہیں۔

هذا ما تيسر لي جمعه في هذه الرسالة، وصلى الله وسلم على نبينا محمد وعلى آله و صحبه اجمعين.

جماعتی نام "اھل حدیث" قرآن وحدیث کی روشنی میں

کفایت اللہ سنابلی

کسی فرد یا جماعت یا کسی اور چیز کا نام صحیح ہے یا غلط اس کا فیصلہ کیسے ہوگا؟ یہ ایک بنیادی سوال ہے۔

اکثر لوگ اس بنیاد سے غافل ہیں اور یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ نام کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ بعینہٖ وہی نام قرآن وحدیث میں موجود ہو، یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے اور بعض شاطر ذہن کی مغالطہ بازی بھی ہے۔

جماعت کے ناموں پر ہم بعد میں بات کریں گے، سب سے پہلے فرد کے ناموں کا مسئلہ لیتے ہیں۔

فرد کا نام:

قرآن وحدیث میں فرد کے ناموں کا تذکرہ ملتا ہے:

قرآن: مثلاً اللہ تعالیٰ قران میں کہتا ہے:

﴿فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا﴾[الأحزاب:۳۷]

احادیث: اوراحادیث بے شمار ہیں جن میں فرد کے ناموں کا تذکرہ ہے۔

ہمارے یہاں آئے دن افراد کے نام رکھے جاتے ہیں اوراس بات کا بھی لحاظ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ نام قرآن وحدیث کے مطابق ہوں، اسی لیے لوگ نام رکھتے وقت اکثر علماء سے سوال کرتے رہتے ہیں، اور بعض ناموں کو علماء کے سامنے رکھ کر پوچھتے ہیں کہ یہ نام صحیح ہے یا غلط؟ اور اہل علم الحمدللہ اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جب فرد کے نام کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو اس کے صحیح یا غلط کا فیصلہ کیسے ہوتا ہے۔

کیا ہر اس نام کو غلط کہہ دیا جاتا ہے جس کا وجود قرآن وحدیث میں نہ ہو؟

یا اس نام کو غلط کہا جاتا ہے جو قرآن وحدیث کی تعلیمات کے خلاف ہو؟

یقیناً دوسری صورت ہی پر عمل ہوتا ہے یعنی نام کے صحیح یا غلط ہونے کے لیے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس کا نام قرآن وحدیث میں ہے یا نہیں بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ نام قرآن وحدیث کی تعلیمات کے خلاف ہے یا نہیں۔

چنانچہ ہر اس نام کو اہل علم کی طرف سے صحیح کہا جاتا ہے جو قرآن وحدیث کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو، گرچہ اس نام کا قرآن وحدیث یا عہد صحابہ میں اثر ونشان تک نہ ہو، حتیٰ کہ ایسے ناموں کو بھی صحیح اور درست تسلیم کیا جاتا ہے جو سرے سے عربی زبان کے الفاظ ہی نہیں ہوتے بلکہ کسی اور زبان کے الفاظ ہوتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ فرد کے نام کے سلسلے میں ایسا کیوں؟ یہاں پر یہ مطالبہ کیوں نہیں کہ بعینہٖ اسی نام کا قرآن وحدیث

میں ہونا ضروری ہے؟

جواب اس کا یہ ہے کہ عہدِ رسالت میں فرد کے ناموں کے سلسلے میں ایسا ہی عمل تھا یعنی صرف یہ دیکھا جاتا تھا کہ فرد کا نام اسلامی تعلیمات کے خلاف نہ ہو، چنانچہ جو نام اسلامی تعلیمات کے خلاف ہوتے تھے انہیں تبدیل کر دیا جاتا تھا اور جو نام ایسے نہ ہوتے تھے انہیں صحیح تسلیم کیا جاتا تھا۔

جماعت کا نام:

قرآن وحدیث میں جماعتی ناموں کا بھی تذکرہ ملتا ہے:

قرآن: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهَاجِرِينَ وَ الْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ [التوبة:۱۷۷]

احادیث: احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں جماعتی نام بھی رکھے جاتے تھے یعنی عہد رسالت میں یہ رواج تھا کہ اگر کسی گروہ کے اندر کوئی خاص خوبی ہے تو اس خوبی کے حوالے سے ان کا نام رکھا جاتا تھا، مثلاً چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

اہل الہجرہ:

عن مُجَاشِعٌ، قَالَ :أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَخِي بَعْدَ الفَتْحِ، قُلْتُ:يَا رَسُولَ اللّٰهِ، جِئْتُكَ بِأَخِي لِتُبَايِعَهُ عَلَى الهِجْرَةِ .قَالَ:ذَهَبَ أَهْلُ الهِجْرَةِ بِمَا فِيهَا .فَقُلْتُ:عَلَى أَيِّ شَيْءٍ تُبَايِعُهُ؟ قَالَ :أُبَايِعُهُ عَلَى الإِسْلاَمِ، وَالإِيمَانِ، وَالجِهَادِ فَلَقِيتُ مَعْبَدًا بَعْدُ، وَكَانَ أَكْبَرَهُمَا، فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ: صَدَقَ مُجَاشِعٌ.[صحيح البخاری:۱۵۲/۵]

اہل بدر:

اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: "مَا يُدْرِيكَ، لَعَلَّ اللّٰهَ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ:اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ" [صحيح البخاری:۷٦/٤]

اہل احد:

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" خَرَجَ يَوْمًا فَصَلَّى عَلَى أَهْلِ أُحُدٍ صَلاَتَهُ عَلَى المَيِّتِ"[صحيح البخاری:۱۹۸/٤]

اہل الصفہ:

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ:"دَخَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ لَبَنًا فِی قَدَحٍ، فَقَالَ:أَبَا هِرٍّ، الحَقْ أَهْلَ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ إِلَیَّ قَالَ :فَأَتَيْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ، فَأَقْبَلُوا فَاسْتَأْذَنُوا، فَأَذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوا"[صحیح البخاری:۵۵/۸]

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ عہدِ رسالت میں اگر کسی مخصوص گروہ کے اندر کوئی امتیازی خوبی ہوتی تھی تو اس امتیازی خوبی کے حوالے سے اس گروہ کا نام رکھا جاتا تھا یعنی عہد رسالت میں جس طرح افراد کے نام رکھے جاتے تھے اسی طرح جماعتوں کے بھی نام رکھے جاتے تھے۔

ان دلائل سے اس بات کا ثبوت ملا کہ مسلمانوں کی کسی بھی گروہ میں اگر کوئی امتیازی خوبی ہے تو اس خوبی کے حوالہ سے اس کا نام رکھا جاسکتا ہے۔

آج مسلمانوں کا ایک گروہ ایسا ہے جس کے اندر یہ امتیازی خوبی ہے کہ وہ صرف حدیث (کتاب وسنت) کی پیروی کرتا ہے چونکہ یہ اس گروہ کی امتیازی خوبی ہے اس لیے اس امتیازی خوبی کی بنا پر اگر اس گروہ کا نام اہل حدیث رکھا گیا تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اب یہاں کسی کو یہ اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے کہ بعینہٖ یہی نام قرآن یا حدیث میں دکھاؤ، کیونکہ اگر یہ اعتراض بجا ہے تو یہی اعتراض فرد کے ناموں پر بھی وارد ہوگا، اور ہر وہ نام غلط قرار پائے گا جس کا ہو بہو ذکر قرآن وحدیث میں نہ ہو۔

اب اگر فرد کے ناموں پر اس طرح کا اعتراض غلط ہے تو جماعت کے ناموں پر بھی اس طرح کا اعتراض غلط ہے، اور دونوں کی وجہ ایک ہی ہے۔

چند شبہات کا ازالہ:

ایک ہی جماعت کے کئی نام:

کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اہل حدیث کے کئی نام ہیں، مثلاً اہلِ حدیث، سلفی، محمدی وغیرہ، لہٰذا یہ لوگ مختلف ٹولیوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

عرض ہے کہ ایک ہی چیز کے کئی نام ہونا اس کے تعدد کی دلیل نہیں ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ کے بھی کئی نام ہیں پھر کیا یہ الگ الگ نبیوں کے نام ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں تو کیا یہ بھی الگ الگ الہ کے نام ہیں، ہرگز نہیں۔

غرض یہ کہ کسی چیز کے ایک سے زائد نام رکھنے سے اس کا تعدد لازم نہیں آتا۔

قرآن نے مسلم نام رکھا:

بعض لوگوں کہتے ہیں قرآن نے ہمارا نام مسلم رکھا ہے، اللہ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا﴾[الحج:۷۸]

عرض ہے کہ اس آیت میں بے شک قرآن نے ہمارا نام مسلم رکھا ہے اس سے کسی کو انکار نہیں لیکن اس آیت میں یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہمارا نام صرف اور صرف مسلم ہے اس کے ساتھ کوئی دوسرا نام نہیں رکھ سکتے۔

خود اللہ نے مذکورہ آیت میں ہمیں اور ہم سے پہلے لوگوں کا نام مسلم بتایا ہے اور اللہ نے ہم سے پہلے لوگوں میں سے ایک گروہ کو اسی قران میں اہل الانجیل بھی کہا ہے، ارشاد ہے:

﴿وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ﴾[المائدة:٤٧]

اور صحابہ میں سے ایک گروہ کو مہاجر اور ایک گروہ کو انصار بھی کہا ہے ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾[التوبة:۱۱۷]

معلوم ہوا کہ مسلم نام کے ساتھ ساتھ دوسرے نام بھی رکھے جاسکتے ہیں۔

اور اگر یہ مان لیا جائے کہ اس آیت میں مسلم نام رکھا گیا ہے اب اس کے علاوہ کوئی دوسرا نام نہیں رکھ سکتے تو یہ اعتراض فرد کے ناموں پر بھی وارد ہوگا!

یعنی اب کوئی بھی مسلم اپنے لیے مسلم کے علاوہ کوئی اور نام نہیں منتخب کرسکتا مثلاً خورشید، انجم، وغیرہ۔

اگر کہا جائے کہ فرد کے نام رکھنے کے دلائل موجود ہیں تو عرض ہے کہ جماعت کے نام رکھنے کے دلائل بھی موجود ہیں جیسا کہ اوپر تفصیل پیش کی گئی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جس طرح فرد کا نام رکھنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے اسی طرح جماعت کا نام رکھنا بھی قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

اور جس طرح فرد کے نام کے صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ بعینہٖ وہی نام قرآن وحدیث میں موجود ہو۔

اسی طرح جماعت کے نام کے صحیح ہونے کے لیے بھی ضروری نہیں کہ بعینہٖ وہی نام قرآن وحدیث میں موجود ہو۔

البتہ فرد اور جماعت دونوں کے نام میں یہ ضروری ہے کہ یہ قرآن وحدیث کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔

اور اہل حدیث نام قرآن وحدیث کی کسی بھی تعلیم کے خلاف نہیں، لہٰذا اس نام پر اعتراض لغو ہے۔

(آخری قسط)

زانیہ حاملہ کی زنا کرنے والے کے ساتھ شادی

کفایت اللہ سنابلی

فریق مخالف کے دلائل :

پہلی دلیل :

صحیح بخاری میں ایک طویل واقعہ ہے جس میں جریج زنا سے پیدا ہونے والے بچے سے پوچھتے ہیں کہ :

"من أبوک یا غلام؟"

"اے بچے تیرا باپ کون ہے"؟ [صحیح البخاری :رقم ۲۴۸۲]

تو بچہ کسی چرواہے کا نام بتاتا ہے۔

عرض ہے کہ :

یہاں باپ شرعی معنی میں نہیں ہے، بلکہ لغوی معنی میں ہے یعنی جریج کے سوال کا مقصد بچے کو زانی کی طرف نسب کے اعتبار سے منسوب کرنا نہیں تھا، بلکہ یہ پتہ کرنا تھا کہ یہ بچہ کس کے نطفے سے پیدا ہوا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ دوسری حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے پوری صراحت کے ساتھ زنا سے نسب کی نفی کی ہے۔[سنن أبی داؤد :رقم ۲۲۶۵ وإسناده صحيح و حسنه الالبانی]

اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ایک دوسری حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے ولدالزنا اور زانی کا ذکر کرتے ہوئے زانی کے لیے "اَب" کا لفظ استعمال کیا ہے، یہ حدیث اوپر دوسری دلیل کے تحت گزر چکی ہے۔

علاوہ بریں یہ پہلی شریعت کا واقعہ ہے اور ہماری شریعت میں زنا سے نسب کے عدم اثبات پر دلائل موجود ہیں، جیسا کہ ماقبل میں ذکر کئے گئے۔

دوسری دلیل :

حدیث لعان میں ہے:

"فإن جاء ت به أكحل العينين، سابغ الأليتين، خدلج الساقين، فهو لشريک ابن سحماء"

"گر بچہ خوب سیاہ آنکھوں والا، بھاری سرین اور بھری بھری پنڈلیوں والا پیدا ہوا تو پھر وہ شریک بن سحماء ہی کا ہو گا" [صحیح البخاری :۴۷۴۷]

ان الفاظ میں اللہ کے نبی ﷺ نے ولد الزنا کو زانی کی طرف منسوب کرنے کی بات کی ہے، اس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ زنا سے بھی نسب کا اثبات ہوگا۔

عرض ہے کہ:

یہ نسبت بھی اثبات نسب کے لیے نہیں ہے بلکہ بیان سبب کے لیے ہے۔ جیسا کہ ماقبل میں جریج والے واقعہ میں وضاحت کی گئی۔

تیسری دلیل:

امام ابوداؤد رحمہ اللہ (المتوفی ۲۷۵) نے کہا:

حدثنا مسدد، حدثنا يحيى، عن الأجلح، عن الشعبى، عن عبد الله بن الخليل، عن زيد بن أرقم قال:"كنت جالسا عند النبى صلى الله عليه وسلم، فجاء رجل من اليمن، فقال :إن ثلاثة نفر من أهل اليمن أتوا عليا، يختصمون إليه فى ولد، وقد وقعوا على امرأة فى طهر واحد، فقال: لاثنين منهما طيبا بالولد لهذا فغليا، ثم قال :لاثنين طيبا بالولد لهذا فغليا، ثم قال :لاثنين طيبا بالولد لهذا فغليا، فقال :أنتم شركاء متشاكسون، إنى مقرع بينكم فمن قرع فله الولد، وعليه لصاحبيه ثلثا الدية، فأقرع بينهم، فجعله لمن قرع، فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى بدت أضراسه أو نواجذه"

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:"میں نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اتنے میں یمن کا ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: اہل یمن میں سے تین آدمی علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک لڑکے کے لیے جھگڑتے ہوئے آئے، ان تینوں نے ایک عورت سے ایک ہی طہر (پاکی) میں جماع کیا تھا، تو علی رضی اللہ عنہ نے ان میں سے دو سے کہا کہ تم دونوں خوشی سے یہ لڑکا اسے (تیسرے کو) دے دو، یہ سن کر وہ دونوں بھڑک گئے، پھر دو سے یہی بات کہی، وہ بھی بھڑک اٹھے، پھر دو سے اسی طرح گفتگو کی لیکن وہ بھی بھڑک اٹھے، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: تم تو باہم ضد کرنے والے ساجھی دار ہو لہٰذا میں تمہارے درمیان قرعہ اندازی کرتا ہوں، جس کے نام کا قرعہ نکلے گا لڑکا اسی کو ملے گا اور وہ اپنے ساتھیوں کو ایک ایک تہائی دیت ادا کرے گا، آپ نے قرعہ ڈالا اور جس کا نام نکلا اس کو لڑکا دے دیا، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ ہنسے یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں یا کچلیاں نظر آنے لگیں" [سنن أبی داؤد :رقم ۲۲۶۹]

یہ روایت ضعیف ہے، تفصیل کے لیے دیکھئے:[سنن ابی داؤد بتحقیق شعیب الارنؤوط :رقم۲۲۶۹]

چوتھی دلیل:

”أن عمر بن الخطاب كان يليط أولاد الجاهلية بمن ادعاهم في الإسلام“

”زمانۂ جاہلیت کے طوائفوں کی اولاد کو دورِ اسلام میں ان کے باپ کی طرف منسوب کرتے تھے“[موطأ مالك - رواية يحيىٰ:٤/١٠٧٢ ت الأعظمي ، إسناده منقطع لكنه صحيح من طرق أخرى]

عرض ہے کہ:

اولاً:

یہ اثر صحیح اور صریح حدیث کے خلاف ہے اس لیے یہ حجت نہیں اور عمر رضی اللہ عنہ کے علم میں ممکن ہے یہ حدیث نہ رہی ہو۔

ثانیاً:

یہ حکم صرف زمانۂ جاہلیت کی زنا کاری سے متعلق تھا، کوئی عام حکم نہیں تھا، لہٰذا عہدِ اسلام کی زنا کاری سے متعلق اس اثر سے استدلال درست نہیں ہے۔

ابوالحسن الماوردی (ت ۴۵۰ھ) فرماتے ہیں:

”فَأَمَّا الْجَوَابُ عَنِ الْحَدِيثِ الْمَرْوِيِّ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَلِيطُ أَوْلَادَ الْبَغَايَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ بِآبَائِهِمْ فِي الْإِسْلَامِ ، فَهُوَ أَنَّ ذلک منه فِي عِهَارِ الْبَغَايَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ دُونَ عِهَارِ الْإِسْلَامِ، وَالْعِهَارُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَخَفُّ حُكْمًا مِنَ الْعِهَارِ فِي الْإِسْلَامِ، فَصَارَتِ الشُّبْهَةُ لَاحِقَةً بِهِ وَمَعَ الشُّبْهَةِ يَجُوزُ لُحُوقُ الْوَلَدِ، وَخَالَفَ حُكْمَهُ عِنْدَ انْتِفَاءِ الشُّبْهَةِ عَنْهُ فِي الْإِسْلَامِ“

”عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا جو یہ اثر ہے کہ وہ زمانۂ جاہلیت کے طوائفوں کی اولاد کو دورِ اسلام میں ان کے جاہلی باپ کی طرف منسوب کرتے تھے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ زمانۂ جاہلیت کے طوائفوں کی زنا کاری سے متعلق ہے نہ کہ اسلام آنے کے بعد ہونے والی زنا کاری سے متعلق، اور زمانۂ جاہلیت میں زنا کاریوں کا معاملہ عہد اسلام میں ہونے والی زنا کاریوں کے بنسبت اخف ہے (کیونکہ وہ بعض طرح کی زنا کاری کو بھی نکاح سمجھتے تھے)، اس لیے ان کے ساتھ شبہ جڑا ہے، اور شبہ کے سبب بچے کی نسبت کرنا درست ہوتا ہے (مثلاً نکاح شبہ کے مسئلہ میں)، اور عہدِ اسلام میں اس شبہ کی گنجائش نہیں ہے (کیونکہ اسلام نے زنا کاری کی ہر قسم کو نکاح کے حکم سے خارج کر دیا ہے)، اس لئے عہدِ اسلام میں زنا کاری کا حکم بھی الگ ہوگا“ [الحاوی الكبير :٨/١٦٣]

پانچویں دلیل:

ماں کی طرف نسبت پر قیاس:

بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ زنا سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنی ماں کی طرف منسوب ہوتا ہے جیسا کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے۔تو جب یہ بچہ زانیہ کی طرف منسوب ہوسکتا ہے تو زانی کی طرف کیوں نہیں منسوب ہوسکتا؟اگر باپ زانی ہے تو ماں بھی تو زانیہ تھی؟

عرض ہے کہ:

جس طرح متعدد احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زنا سے پیدا ہونے والا بچہ ماں کی طرف منسوب ہوگا،اسی طرح متعدد احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ زنا سے پیدا ہونے والا بچہ زانی کی طرف منسوب نہیں ہوگا۔لہٰذا جب زانی کی طرف عدم نسبت نص سے ثابت ہے تو نص کی موجوگی میں قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے جیسا کہ فقہ کا مسلم قاعدہ ہے۔

بطور مثال عرض ہے کہ فرض نماز کے اندر ایک رکعت میں دونوں سجدہ رکن ہے اب اگر کوئی نمازی ایک سجدہ کرنا بھول گیا تو بھول چوک تو معاف ہے اس پر گناہ نہیں لیکن اسے وہ رکعت دوبارہ پڑھنی ہوگی کیونکہ اس سے رکن فوت ہوگیا ہے۔

دوسری طرف روزہ میں کھانے پینے سے رکنا یہ رکن ہے،اب اگر کوئی بھول چوک سے فرض روزہ کی حالت میں کھانا کھالے تو قیاس کہتا ہے کہ بھول چوک تو معاف ہے اس پر گناہ نہیں،لیکن ایسے شخص کو اس دن کا روزہ دوبارہ رکھنا پڑے گا کیونکہ اس سے رکن فوت ہوگیا ہے۔لیکن ہم یہاں یہ قیاس نہیں کرسکتے کیونکہ روزہ سے متعلق نص موجود ہے کہ جو کوئی بھول چوک سے کھالے وہ اپنا روزہ پورا کرے اور اس پر کوئی قضاء نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ نص کی موجودگی میں قیاس نہیں کیا جائے گا لہٰذا زانی کی طرف ولدالزنا کی نسبت کو زانیہ کی طرف نسبت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

ایک جذباتی دلیل کا جائزہ:

بعض لوگ کہتے ہیں مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ ولدالزنا کو زانی کی طرف منسوب کیا جائے،پھر اس مصلحت کی تفصیل میں طرح طرح کی باتیں پیش کرتے ہیں،مثلاً یہ کہ اس سے زنا کرنے والوں کے گناہ پر پردہ ڈالا جاتا ہے اور زنا کرنے والوں کے لیے توبہ کی راہ ہموار ہوتی ہے،نیز ولدالزنا کو بچے کا نام نہ دیا جائے تو اسے اس کی بدنامی ہوتی ہے، اور اس کا نقصان ہوتا ہے جبکہ اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔وغیرہ وغیرہ۔

عرض ہے کہ:

اولاً:

یہ مصلحتیں نص سے معارض ہیں اس لیے کہ ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ کیونکہ نص کی موجودگی میں قیاس ومصلحت اندیشی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ثانیاً:

مصلحت تو یہ بھی ہے کہ زنا اور زانیوں کے لیے سزا ہو اور ان کی حوصلہ شکنی ہے۔

امام السَّرَخسی (ت۴۸۳ھ) فرماتے ہیں:

"ولأن قطع النسب شرعا لمعنى الزجر عن الزنا فإنه إذا علم أن ماء ه يضيع بالزنا يتحرز عن فعل الزنا "

''شریعت میں زنا سے نسب کی نفی کا مقصد زنا سے روکنا ہے، کیونکہ جب زانی کو یہ پتہ ہوتا کہ زنا کے ذریعہ ہونے والا بچہ اس کا نہیں ہوگا تو وہ زنا سے دور رہے گا'' [المبسوط للسرخسی:۲۰۷/٤]

رہی بات بچے کو باپ کا نام دینے کی تو یہ شریعت سے ٹکراؤ والی بات ہے کیونکہ جب شریعت نے زنا سے نسب کی نفی کی ہے تو زنا سے نسب کا اثبات کرنا شریعت کے خلاف، شریعت سازی ہے بلکہ یہ زنا سے بھی بڑا گناہ ہے۔ چنانچہ:

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أما إن كان المقصود هو ستر الفاحشة التى وقعوا فيها، وتسجيل ولد الزنا باسمهما، فهذا أشد من الزنا "

''اگر زانیہ سے زانی کی شادی کا مقصد اس زنا پر پردہ ڈالنا ہو جس میں یہ دونوں واقع ہوئے اور ولد الزنا کو اپنا نام دینا ہو تو یہ زنا سے بھی بڑا جرم ہے'' [سلسلة الهدىٰ والنور (مفرغ كاملا):٤٨/١٩]

یاد رہے کہ ولد الزنا کو باپ کے نام سے محروم کرنے میں یقیناً بچے کا نقصان ہے، لیکن ولد الزنا کو باپ کا نام دینے میں جو فساد و بگاڑ ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

شریعت کے بہت سارے احکامات ایسے ہیں جن پر عمل کی صورت میں کسی بے گناہ کا نقصان ہوتا ہے، لیکن ان پر عمل نہ کرنے کی صورت میں جو فساد و بگاڑ جنم لیتا ہے اس کا نقصان وضرر کئی گنا بڑھ کر ہوتا ہے، اس لیے شریعت نے بڑے فساد و نقصان کی روک تھام کے لیے چھوٹے نقصان کو برداشت کرنے کی بات کہی ہے۔

مثلاً باپ اگر مرتد ہو جائے تو وارثین وراثت سے محروم ہو جائیں گے، حالانکہ اس میں وارثین کا کوئی قصور نہیں

ہے۔

اب وارثین کی بے گناہی اوران کے نقصان کا حوالہ دے کر اسلام کا یہ قانون تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

اسلام میں جان کی حفاظت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے بلکہ اسلام میں جان کی حفاظت کی خاطر جبر کی صورت میں زبان سے کفریہ وشرکیہ کلمہ کہنے کی بھی گنجائش ہے، نیز یتیم بچوں کی پرورش اوران کفالت پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ ہے۔

لیکن ایک شخص جس کے کئی چھوٹے چھوٹے بچے ہوں جن کی وہ پرورش کررہا ہواس سے زنا کا جرم سرزد ہوجائے اور ثابت ہوجائے تو اس کے لیے سزائے موت ہے، اوراس کے نتیجے میں اس کے بچے یتیم ہوجائیں گے، اوراپنے باپ کے سائے اوراس کی پرورش سے محروم ہوجائیں گے جبکہ ان بچوں کا کوئی قصور نہیں ہے۔

اب یہاں اسلام میں جان کی حفاظت اور یتیموں کی کفالت وغیرہ کی اہمیت بتا کر شادی شدہ زانی کے لیے سزائے موت کے قانون کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔

رہی بات پردہ پوشی کی تو پردہ پوشی کا بھی ایک دائرہ ہے، پردہ پوشی کی وہ شکل جہاں اسلام کے کسی حکم کی پامالی ہورہی ہو وہاں پردہ پوشی کی گنجائش نہیں ہے، چنانچہ حاملہ عورت سے وضع حمل سے قبل شادی ناجائز ہے، یہ اسلام کا دوٹوک اورواضح حکم ہے،اب پردہ پوشی کی خاطر اس حکم کو نہیں بدلا جاسکتا۔

علاوہ بریں ایسی پردہ پوشی سماج ومعاشرے میں مزید فساد کا باعث ہے، چنانچہ:

شیخ ابن جبرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فأما أن يقول :"سوف أتزوجها حتى أسترها أو حتى لا تفتضح، فلا يجوز..... فإذا رخص لهم في هذا كثر الزنا، وكثر الفحش، وصار كل من زنى وواقع امرأة حرص علىٰ أن يتزوجها ثم يطلقها، وطلاقه لها قد يكون الحامل له عدم ثقته بها، يقول :إذا زنت وهي غير متزوجة فيمكن أن تزني وهي متزوجة، فلا آمنها فراشاً لي"

اگر زانیہ حاملہ سے زنا کرنے والا یہ کہتا ہے کہ:"میں اس سے شادی کرکے اس کے گناہ پر پردہ ڈالتا ہوں تا کہ اس کی رسوائی نہ ہوتو یہ جائز نہیں ہے.....اگر ان زانیوں کے لیے اس طرح کی رخصت دی گئی تو فحاشی اور بدکاری اور عام ہوجائے گی، اور ہر وہ شخص جو کسی عورت کے ساتھ زنا کرے گا وہ اس کے ساتھ شادی کرنے کے بعد اسے طلاق دینا ہی پسند کرے گا کیونکہ اس پر سے اس کا اعتماد اٹھ جائے گا وہ سوچے گا کہ یہ عورت اگر شادی سے پہلے کسی کے ساتھ زنا کرسکتی ہے تو شادی کے بعد بھی کسی کے ساتھ زنا کرسکتی ہے اس لیے یہ بیوی بنائے جانے کے لائق نہیں ہے" [شرح

عمدة الأحكام لابن جبرين:٧/٦٤ بترقيم الشاملة آليا]

بلکہ یہ پردہ پوشی کتنے بڑے فساد کا باعث ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ بعض اہل علم جو زنا سے نسب کے اثبات کے قائل ہیں وہ بھی علی الاطلاق اس کا فتویٰ دینے کے حق میں نہیں ہیں تاکہ اس کے سبب معاشرے میں بے حیائی وبدکاری عام نہ ہوجائے، چنانچہ:

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ومن العلماء من يجوز ذلک إذا تحققت التوبة، وأنه إذا استلحقه الزانی يُلحق به.لكن هذا الباب لا يجوز إطلاقًا أن يفتح للناس، فلو كان هذا القول من الناحية النظرية قولًا صحيحًا إلا أنه لا يجوز أن يُفتى به الناس على الإطلاق، لأنهم لو أُفتوا به لتساهلوا فی هذا الأمر، ولكان كل إنسان يزنی بامرأة فإذا حملت ذهب يتزوجها، وأهلها سوف يضطرون إلى أن يزوجوه، وسيفتح بهذا باب شر على الناس"

"بعض علماء توبہ کے بعد اسے جائز بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر زانی اپنے لڑکے کو اپنالے تو وہ اس کا ہی مانا جائے گا،لیکن اس دروازہ کو لوگوں کے لیے علی الاطلاق کھولنا مناسب نہیں ہے، یہ قول گرچہ علمی اعتبار سے صحیح ہو اس کے باوجود بھی علی الاطلاق لوگوں کو اس کے مطابق فتویٰ دینا درست نہیں ہے، کیونکہ اگر علماء یہ فتوے دینے لگ جائیں تو لوگ اس معاملہ میں بے پرواہ ہوجائیں گے اور صورت حال یہ ہوگی کہ بہت سے لوگ اپنی محبوبہ سے (شادی کرنے کی خاطر ہی) زنا کریں گے کیونکہ جب وہ حاملہ ہوجائے گی اور اس کے بعد وہ اس سے شادی کی مانگ کریں گے تو اس کے گھر والے مجبوراً اس کے ساتھ اس کی شادی کردیں گے اور اس طرح لوگوں کے لیے ایک شر کا دروازہ کھل جائے گا"

[تفسير العثيمين:النساء :٢/٥١٦]

الغرض زنا سے نسب کے اثبات میں مصلحت سے زیادہ مفسدت ہی ہے۔لہٰذا اس لحاظ سے بھی زنا سے نسب کے اثبات کی گنجائش نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ زانیہ حاملہ سے وضع حمل سے قبل شادی ناجائز ہے خواہ شادی کرنے والا زانی ہی ہو، کیونکہ:

اول: اس حمل کا سبب گرچہ زانی ہے لیکن شرعاً یہ بچہ زانی کا نہیں مانا جائے گا، کیونکہ زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔

دوم: زانیہ کا حمل حرام نطفے سے ہے اور اس حالت میں اس سے شادی کی گئی تو اس کے ساتھ حلال نطفہ خلط ملط ہوگا۔لہٰذا وضع حمل سے قبل زانیہ سے زانی بھی شادی نہیں کرسکتا۔واللہ اعلم۔

غیر مسلم تیوہار کی مٹھائی: تجزیاتی تحریر کا جائزہ

کفایت اللہ سنابلی

غیر مسلم کے تیوہار پر ہدیہ قبول کرنے سے متعلق بعض آثار ملتے ہیں لیکن یہ سارے آثار ضعیف وغیر ثابت ہیں جیسا کہ میں نے اپنے ایک مضمون میں وضاحت کی ہے۔

لیکن حال ہی میں محترم مقبول احمد سلفی صاحب نے ان آثار میں سے دو اثر کو بڑے ہی عجیب وغریب انداز میں صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، ذیل میں اس کا جائزہ پیش خدمت ہے:

☆ **ابو برزہ رضی اللہ عنہ کا اثر:**

حدثنا وكيع ، عن الحسن بن حكيم ، عن أمه ، عن أبي برزة أنه كان له سكان مجوس ، فكانوا يهدون له في النيروز والمهرجان ، فكان يقول لأهله :"ما كان من فاكهة فكلوه ، وما كان من غير ذلك فردوه"

ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے کچھ مجوسی پڑوسی تھے جو انہیں نیروز اور مہرجان کے تیوہاروں میں ہدیہ دیتے تھے، تو آپ اپنے گھر والوں سے کہتے تھے کہ: ''میوے کی شکل میں جو چیز ہو اسے کھالو اور اس کے علاوہ جو ہو اسے لوٹا دو'' [مصنف ابن أبي شيبة۔ سلفية:۸/۸۸]

اس سند میں حسن بن حکیم کی والدہ ہیں ان کی کوئی توثیق کہیں نہیں ملتی حتیٰ کی ان کے نام تک کی صراحت مجھے کہیں نہیں مل سکی۔ اب جس کی توثیق تو درکنار اس کا نام تک معلوم نہ ہو سکے اس کی روایت کو کیونکر صحیح کہا جا سکتا ہے!

☆ لیکن مقبول احمد سلفی صاحب لکھتے ہیں:

(((اس میں حسن بن حکیم ثقفی کی ماں جو کہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے مولاۃ ہیں کا حال نامعلوم ہے۔ یہ اثر ایک دوسرے طریق سے بھی مروی ہے۔

حدثنا وكيع عن الحكم بن حكيم عن ابيه عن أبي برزة أنه كان له سكان مجوس ، فكانوا يهدون له في النيروز والمهرجان ، فكان يقول لأهله: "ما كان من فاكهة فكلوه ، وما كان من غير ذلك فردوه". (اعلام السنن:۱۲/۷۰۶، علامہ ظفر احمد عثمانی تھانوی) مجہول الحال کی روایت متابعات وشواہد میں قابل قبول ہے۔)))

☆ جواباً عرض ہے کہ:

یہاں مقبول سلفی صاحب نے مشہور دیوبندی عالم ظفر تھانوی صاحب کی کتاب سے یہی روایت نقل کر کے اسے دوسرا طریق بتا دیا!!!علم حدیث کا معمولی طالب علم بھی یہ پڑھ کر حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کیونکہ ظفر تھانوی صاحب نے بھی اس روایت کو مذکورہ سند ہی سے ذکر کیا اور ابن ابی شیبہ ہی کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔پھر یہ دوسرا طریق کیسے ہوگیا؟

غور کریں سند بھی ایک، کتاب بھی ایک، پھر دوسرا طریق کیسے؟

واضح رہے کہ ظفر تھانوی صاحب کی جس عبارت سے مقبول سلفی صاحب نے حوالہ پیش کیا ہے وہ اصل میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کلام ہے جسے تھانوی صاحب نے اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ سے نقل کر دیا ہے۔اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس روایت کو مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

ظفر تھانوی صاحب نے نقل میں غلطی کی یا کاتب نے غلطی کی اور سند کے اندر ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے نیچے (عن ابیہ) لکھ دیا جبکہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی اصل کتاب میں (عن امہ) ہے۔دیکھئے:[اقتضاء الصراط المستقیم: ص: ۱۲۰،مطبوعہ المطبعة الشرفية ، الطبعة الاولیٰ]۔اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی (عن امہ) ہے۔دیکھئے: [مصنف ابن أبی شیبة۔سلفیة:۸۸/۸]

نیز سند میں وکیع کے شیخ کی جگہ الحکم بن حکیم لکھا ہوا ہے، ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی اصل کتاب میں بھی ایسے ہی ہے اور یہیں پر ناسخ سے غلطی ہوئی ہے کیونکہ ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ کی اصل کتاب ''مصنف'' میں وکیع کے شیخ کا نام پوری صراحت سے الحسن بن حکیم ہی لکھا ہوا ہے۔اور اس اثر کے لیے مصنف ابن ابی شیبہ میں کوئی دوسرا طریق ہے ہی نہیں۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ ''اقتضاء الصراط'' کے ناسخ نے غلطی سے نام غلط درج کر دیا ہے۔چنانچہ ''اقتضاء الصراط'' کے محقق نسخے میں اس کی اصلاح کر دی گئی اور محقق نے اصل کتاب میں اس غلطی کی تصحیح کرتے ہوئے صحیح نام الحسن بن حکیم ہی درج کیا ہے اور حاشیہ میں لکھا:

فی المطبوعة: الحکم، وهو خطأ، والصواب هو:الحسن بن حکیم بن طهمان أبو حکیم.

یعنی (قدیم) مطبوعہ نسخے میں یہاں حکم لکھا ہے جو غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ الحسن بن حکیم بن طہمان أبو حکیم ہے۔

[اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة أصحاب الجحیم :۵۲/۲]

☆ اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ ابو برزہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اثر کی صرف اور صرف ایک ہی سند ہے اور یہی سند ظفر تھانوی صاحب کی کتاب میں بھی درج ہے لیکن بعض راویوں کے نام میں کتابت کی غلطی ہے۔اس حقیقت

سے غافل ہوکر مقبول سلفی صاحب نے اسے دوسرا طریق سمجھ لیا جو سخت حیرت کا باعث ہے کیونکہ اس طرح کی غلطیوں پر علم حدیث کا معمولی طالب علم بھی آگاہ ہوجاتا ہے۔

الغرض جب واضح ہوگیا کہ اس کی صرف اور صرف ایک ہی سند ہے جو ضعیف ہے تو پھر متابع اور شاہد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

☆ **اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر:**

حدثنا جرير، عن قابوس، عن ابيه، ان امراة سالت عائشة قالت :"إن لنا اظآرا من المجوس، وإنه يكون لهم العيد فيهدون لنا ؟ فقالت :اما ما ذبح لذلک اليوم فلا تاكلوا، ولكن كلوا من اشجارهم"

قابوس بن ابی ظبیان اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا۔اس نے کہا کہ :''ہماری کچھ مجوسی پڑوسن ہیں اور ان کے تیوہار کے دن ہوتے ہیں جن میں وہ ہمیں ہدیہ دیتے ہیں،اس کا کیا حکم ہے؟ تو اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:اس دن جو چیز ذبح کی جائے اسے نہ کھاؤ،لیکن ان کی طرف سے سبزی اور پھل کی شکل میں جو ملے اسے کھالو''[مصنف ابن ابی شیبة:سلفیة:۸۷/۸]

☆ ہم نے اس سند کو ضعیف لکھا تھا کیونکہ قابوس ضعیف ہے، نیز جریر نے صراحت کردی ہے کہ انہوں نے قابوس سے جب سنا تھا تو اس وقت قابوس کا حافظہ فاسد تھا۔اس لیے اس اثر کے ضعیف ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

لیکن مقبول سلفی صاحب نے جریر کے صریح بیان کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اس مردود اثر کو صحیح ثابت کرنے کے لیے صرف یہ کیا کہ بعض اہل علم سے قابوس کی توثیق نقل کردی جبکہ ہم نے اپنے مضمون میں خود یہ لکھ رکھا تھا کہ بعض محدثین نے اس کی توثیق کی ہے لیکن اس کا ضعیف ہونا ہی راجح ہے،اس لیے محض بعض محدثین سے اس کی توثیق نقل کردینا کہاں کا انصاف ہے؟ مقبول سلفی صاحب نے قابوس کی توثیق ثابت کرنے کے لیے کل آٹھ حوالے دیئے ہیں ان کا جائزہ پیش خدمت ہے:

پہلا حوالہ ابن معین رحمہ اللہ کا دیا گیا ہے حالانکہ ابن معین رحمہ اللہ نے اس راوی کو'' **ضعيف الحديث**''بھی کہا ہے۔دیکھئے:[العلل ومعرفة الرجال لأحمد، ت وصی:۲۹/۳]

لہٰذا توثیق میں ان کا حوالہ ساقط ہے اور تطبیق دیں تو کہہ سکتے ہیں کہ توثیق دینداری کے لحاظ سے ہے اور تضعیف حافظہ کے لحاظ سے ہے۔

دوسرا حوالہ امام ابن عدی کا دیا گیا ہے کہ انہوں نے "**لاباس به**" کہہ کر توثیق کی ہے۔

عرض ہے کہ امام ابن عدی کے الفاظ "**وأرجو انه لا بأس به**" ہیں۔دیکھیں:[الکامل لابن عدی ت عادل وعلی:۱۷۶/۷]

اور اس صیغے سے امام ابن عدی ہر جگہ توثیق نہیں کرتے بلکہ کبھی کبھی جن کو وہ ضعیف مانتے ہیں ان کے لیے بھی وہ الفاظ بول دیتے ہیں اور ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کی حدیث لکھی جائے گی چنانچہ ایک راوی کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"**وأرجو أنه لا بأس به، وهو من جملة الضعفاء الذين يكتب حديثهم**"[الکامل لابن عدی ت عادل وعلی:۲۱۹/۲]

تیسرا حوالہ امام ذہبی رحمہ اللہ کا دیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب تاریخ اسلام میں اسے "**حسن الحدیث**" کہا ہے۔

عرض ہے کہ امام ذہبی نے تاریخ اسلام میں اس راوی کے ترجمہ میں نہیں بلکہ ایک دوسری جگہ اسے "**حسن الحدیث**" کہا ہے اور حاشیہ میں محقق دکتور بشار عواد نے امام ذہبی رحمہ اللہ کی تردید کردی ہے۔دیکھئے:[تاریخ الإسلام ت بشار: ۴۰۰/۲]

دوسری طرف تاریخ اسلام میں جہاں امام ذہبی نے اس راوی کا ترجمہ پیش کیا ہے وہاں صرف اس پر جرح ہی نقل کی ہے اور کسی ایک بھی امام کی توثیق نقل نہیں کی ہے اور نہ ہی اسے خود اسے "**حسن الحدیث**" کہا ہے۔دیکھیں: [تاریخ الإسلام ت بشار:۹۵۲/۳]

بلکہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی ایک دوسری کتاب میں پوری صراحت کے ساتھ اسے ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

"**قابوس بن أبی ظبیان ضعیف**"

"یعنی قابوس بن ابی ظبیان ضعیف ہے"[المستدرك للحاكم مع تعليق الذهبی:۴۵۰/۲]

چوتھا حوالہ احمد بن سعید کا دیا گیا ہے کہ انہوں نے "**جائز الحدیث**" کہا ہے۔

عرض ہے کہ یہ توثیق نہیں ہے کیونکہ ضعیف کے لیے بھی ایسا کہا جاتا ہے اور مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کی حدیث لکھی جاسکتی ہے۔

نیز مجھے اس قول کا مصدر نہیں مل سکا کہ موصوف نے اسے کہاں سے نقل کیا ہے؟ مجھے لگتا ہے کہ ابن معین کے شاگرد احمد بن سعید نے جو ابن معین کا قول "**جائز الحدیث**" نقل کیا ہے،اس سے مقبول سلفی صاحب نے یہ سمجھ لیا کہ یہ

احمد بن سعید کا قول ہے۔جبکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ امام ابن معین کا قول ہے کہ اور اوپر بتایا جاچکا ہے خود امام ابن معین نے اسے ضعیف کہا ہے۔اگر ایسا ہی ہے تو اسماء الرجال پر بات کرتے ہوئے اس طرح کی لاپروائی انتہائی معیوب بات ہے۔

پانچوں حوالہ امام طبرانی کا دیا گیا ہے کہ انہوں نے اس کی ایک روایت کو حسن کہا ہے۔

عرض ہے کہ یہ ضمنی توثیق ہے اور راجح صریح توثیق کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

چھٹا حوالہ یہ دیا گیا ہے کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''درایہ'' میں اس کی روایت سے استدلال کیا ہے۔

عرض ہے کہ اس سے توثیق کہاں ثابت ہوئی؟ روایت سے استدلال روایت کی تصحیح کو مستلزم نہیں ہے اس لیے یہ دور کی کوڑی بے کار ہے۔مزید یہ کہ خود ابن حجر رحمہ اللہ نے اس راوی کو ''لین'' کہا ہے[تقریب التهذیب لابن حجر: رقم: ٥٤٤٥] اور بعض کتب میں اس کی روایت کی تخریج کرتے ہوئے اس پر جرح نقل کی ہے۔مثلاً ایک جگہ کہا:

''وقابوس ضعفه النسائی''

''یعنی امام نسائی نے قابوس کو ضعیف قرار دیا ہے''[التمییز لابن حجر، ت دکتور الثانی:١/٣٤٠]

ساتواں حوالہ امام ترمذی کا ہے کہ انہوں نے اس کی حدیث کو حسن کہا ہے۔

عرض ہے کہ تحسین میں امام ترمذی رحمہ اللہ کا تساہل معروف ہے امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

''فلا یغتر بتحسین الترمذی''

''یعنی امام ترمذی کی تحسین سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے''[میزان الاعتدال للذهبی ت البجاوی:٤/٤١٦]

لہٰذا دیگر ائمہ فن کی تضعیف کے مقابلے میں اس تحسین کو پیش کرنا غلط ہے۔

آٹھواں حوالہ علامہ شاکر رحمہ اللہ کا دیا گیا ہے جو معاصرین میں سے ہیں اور یہ بہت عجیب بات ہے کیونکہ راوی کی توثیق کے باب میں ناقدین ائمہ فن کی فہرست میں بطور حجت کسی معاصر محقق کا قول پیش کرنا بالکل بے معنی ہے۔ہاں ایک شخص اپنی رائے کی تائید میں معاصر کا قول پیش کرسکتا ہے لیکن ائمہ ناقدین کے مقابلے میں آج کے معاصرین کی بات پیش کرنا عجیب تر ہے۔

علاوہ بریں معاصرین میں بھی اکثر اس راوی کو ضعیف ہی مانتے ہیں۔علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس راوی کو کئی مقامات پر ضعیف قرار دیا ہے۔مثلاً دیکھیں:[الأحادیث الضعیفة :٩/٣٦٧]

حافظ زبیر علی زئی صاحب نے اسے جمہور کی نظر میں ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھا:

''قابوس ضعيف ضعفه الجمهور''

''یعنی قابوس ضعیف ہے جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے'' [انوار الصحيفه ابو داؤد: رقم:۳۰۳۲،سنن ترمذی مع تحقیق علی زئی :رقم:۶۳۳]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ راوی ضعیف ہے اور اکثر محدثین نے بھی اسے ضعیف ہی کہا ہے۔لہٰذا مقبول سلفی صاحب کا بعض کمزور اور کچھ غیر متعلق حوالوں سے اسے ثقہ ثابت کرنا عجیب وغریب بات ہے۔اور حق اور راجح یہی ہے کہ جمہور واکثر محدثین نے اس راوی کو ضعیف کہا ہے اور یہ ضعیف ہی ہے۔

مقبول سلفی صاحب نے آٹھ حوالے دیئے ہیں جن میں ایک معاصر کا حوالہ اور ایک بے اصل حوالہ ہے یعنی احمد بن سعید کا اور کئی غیر متعلق حوالے ہیں۔لیکن پھر بھی اگر وہ آٹھ کی تعداد ہی دکھانا چاہتے ہیں۔

تو جواباً ہم ذیل میں آٹھ کے دوگنا سولہ محدثین سے اس راوی پر جرح پیش کرتے ہیں:

(۱) جریر بن عبدالحمید الضبی (المتوفی ۱۸۸) نے کہا:

''**أتينا قابوس بعد فساده** ''[التاريخ الكبير للبخاری:۱۹۳/۷]

(۲) امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۰) نے کہا:

''**وفيه ضعف لا يحتج به**''[الطبقات الكبرىٰ ط دار صادر:۳۳۹/٦]

(۳) امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۳) نے کہا:

''**ضعيف الحديث**''[العلل ومعرفة الرجال لأحمد، ت وصی:۲۹/۳]

(۴) امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴۱) نے کہا:

''**ليس هو بذاک** ''[العلل ومعرفة الرجال لأحمد، ت الأزهری:۲۰۵/۱]

(۵) امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۷۷) نے کہا:

''**ضعيف الحَديث لين، يكتب حَديثه، ولا يحتج به** '' [الجرح والتعديل لابن ابی حاتم، ت المعلمی:۱٤٥/۷]

(٦) امام نسائی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۰۳) نے کہا:

''**ليس بالقوی ضعيف** ''[تهذيب التهذيب:۳۰٦/۸] **نیز دیکھیں:**[الضعفاء والمتروكون للنسائی:ص:۸۸]

(۷) امام زکریا بن یحییٰ الساجی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۰۷) نے کہا:

"لیس بثبت " [تهذيب التهذيب لابن حجر، ط الهند:۳۰٦/۸]

(۸) امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی ۳۵۴) نے کہا:

"كان ردىء الحفظ يتفرد عن ابيه بما لا اصل له "[المجروحين لابن حبان:۲۱٦/۲]

(۹) امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۸۵) نے کہا:

"ضعيف، ولكن لا يترك" [سؤالات البرقاني للدارقطني، ت الازهري:ص:۱۲۱]

(۱۰) امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۵۸) نے کہا:

"وقابوس لا يحتج بحديثه"[مختصر خلافيات البيهقي:۲۹۲/۱]

(۱۱) محمد بن طاہر ابن القیسرانی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۰۷) نے کہا:

"وقابوس ضعيف" [ذخيرة الحفاظ لابن القيسراني:۵۵۵/۱]

(۱۲) امام ابن القطان رحمہ اللہ (المتوفی ٦۲۸) نے کہا:

"وقابوس مضعف"[بيان الوهم والإيهام في كتاب الأحكام:٦۲٦/٤]

(۱۳) امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۸) نے کہا:

"قابوس بن أبي ظبيان ضعيف "[المستدرك للحاكم مع تعليق الذهبي:٤٥٠/۲]

(۱۴) امام ابن الملقن رحمہ اللہ (المتوفی ۸۰۴) نے کہا:

"وقابوس هذا ليس بالقوى "[البدر المنير لابن الملقن:۳۷۵/٤]

(۱۵) امام ہیثمی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۰۷) نے کہا:

"رواه الطبراني، وفيه قابوس بن أبي ظبيان وهو ضعيف "[مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:٤۳/۷]

(۱٦) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲) نے کہا:

"لين "[تقريب التهذيب لابن حجر:رقم:٥٤٤٥]

ہم صرف سولہ اقوال پر اکتفاء کرتے ہیں ورنہ ہمارے پاس ابھی اور بھی اقوال ہیں۔

اس تفصیل کے بعد ہر انصاف پسند شخص کے لیے واضح ہو جائے گا کہ یہ راوی ثقہ ہے یا ضعیف؟

خلاصۂ کلام یہ کہ محترم جناب مقبول سلفی صاحب نے جن دو آثار کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ دونوں آثار ضعیف ومردود ہیں۔

تربیت اولاد کے سنہرے اصول

سفیان احمد ریاض الدین سلفی

قرآن حکیم تا قیامت آنے والی بنی نوع انسانی کے لئے نہ صرف باعث ہدایت ہے بلکہ زندگی کے ہر گوشے میں رہنما اصول اور ضابطے کی حیثیت رکھتا ہے، قرآن کی انہی تعلیمات کی ایک روشن کڑی سورہ ''لقمان'' ہے، جس میں بنی اسرائیل کے ایک نیک سیرت اور حکیمانہ گفتار کے مالک لقمان حکیم کی ان حکیمانہ باتوں کو ذکر کیا گیا جو انہوں نے اپنے بیٹے ''ثاران''۔ (أیسر التفاسیر للجزائری ۲۰۳/۴) کو بطور نصیحت و وصیت سکھائی تھی، لقمان حکیم کی ناصحانہ باتوں کو بظاہر دس حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے مگر بنیادی طور پر اس میں تین پہلو ظاہر و باہر ہیں۔

پہلا: عقدی دوسرا: تعبدی تیسرا: اخلاقی

عقدی پہلو: لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو سب سے پہلے عقدی مسائل کی تعلیم دیتے ہوئے سب سے عظیم گناہ شرک سے بچنے کی نصیحت کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ ''اور جب کہ لقمان نے وعظ کہتے ہوئے اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرے پیارے بچے اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے'' [لقمان:۱۳]

مذکور آیت کے اندر چند باتیں قابل غور ہیں:

(۱) لقمان حکیم اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہے ہیں جس کو قرآن حکیم نے ''وَهُوَ يَعِظُهُ'' سے تعبیر کیا ہے، لہٰذا ایک باپ کو چاہیے اپنے بچوں کو وقتاً فوقتاً نصیحت کرتا رہے۔

(۲) لقمان حکیم نے شرک جیسے عظیم گناہ سے بچنے کی تعلیم دیتے ہوئے بھی گل افشانی گفتار اور نرم لہجے کو پیش پیش رکھتے ہوئے ''یابنی'' سے خطاب کیا۔ جس میں واعظین کے لیے یہ پیغام ہے کہ دعوت و تبلیغ کی زبان نہایت ہی نرم ہونی چاہیے۔

اسی طرح لقمان حکیم کی حکیمانہ باتوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ: ''یا بنی: الرفق رأس الحکمة''

''اے میرے بیٹے نرم خوئی حکمت و دانائی کی اصل پہچان ہے'' [صلاح البیوت: ۲٤٤/۱، محمد علی محمد]

(۳) جب آپ کسی سے خطاب کریں تو مخاطب کو کسی امر کی بجا آوری یا ممانعت کی وجہ ضرور بتلائیں۔ مثلاً سگریٹ نوشی مت کرو کیونکہ اس کے پینے سے کینسر ہو جائے گا جس سے موت واقع ہو سکتی ہے۔

اسی لیے امین شقاوی کہتے ہیں کہ: ''ینبغی للواعظ و الناصح أن یکون فی موعظته ما یشعر بالإشفاق علی المنصوح'' ''واعظ و ناصح کو چاہیے کہ وہ اپنی وعظ میں کچھ ایسی باتوں کو ذکر کرے جو مخاطب کو خوف کا احساس

دلائے" [الدرر المنتقاة من الكلمات الملقاة: ٣٩٣/١٢ أمين الشقاوى]

(۴) بچوں کے ذہن و دماغ میں سب سے پہلے ایمان اور عقیدہ کے متعلق باتیں راسخ کرائی جائیں کیونکہ اگر عقیدہ مضبوط رہے گا تو شرک جیسے عظیم گناہ سے محفوظ رہے گا۔ جسے کچھ یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ :

آغاز سخن تیری ہو توحید سے لبریز　　　گفتار تری ہوگی ہر اک دل پہ اثر خیز

تعبدی پہلو: شرک سے اجتناب کرنے کی تعلیم دینے کے بعد لقمان حکیم نے عبادات کے باب میں اپنے بیٹے کو سب سے اہم ترین عبادت نماز قائم کرنے کی نصیحت کیا، فرمان ربانی ہے: ﴿يٰبُنَيَّ أَقِمِ الصَّلٰوةَ......﴾ "اے میرے بیٹے تو نماز قائم کر" [لقمان:١٧]

اور "اقامتِ صلاۃ" اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نماز مطلوب ومقصود طریقے پر ادا کیا جائے۔

نماز کی اہمیت وفضیلت کسی مسلمان سے مخفی نہیں ہے نماز وہ عظیم عبادت ہے جو شرک وکفر کے مابین فارق ہے جس کے اہتمام پر شریعت اسلامیہ میں ثواب عظیم کا وعدہ اور ترک کرنے پر عذابِ الیم کی وعید سنائی گئی ہے۔ اسی لیے اسلافِ امت نماز کے معاملے میں بڑے سخت تھے، بلکہ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال تو یہ تھا کہ وہ جب کبھی کسی کو عامل بناتے تو اپنے عمال کو یہ ہدایت لازمی طور پر لکھا کرتے تھے کہ:

"إن أهم أمركم عندي الصلاة، فمن حفظها وحافظ عليها حفظ دينه، ومن ضيعها كان لما سواها من عمله أشد إضاعة" "میرے نزدیک تمہارا سب سے زیادہ اہم کام نماز ہے جس نے نماز کی حفاظت کی اور اس پر کاربند رہا اس نے اپنے دین کی حفاظت کی اور جس نے نماز کو ضائع کر دیا وہ دین کے بقیہ امور کو بالاولیٰ ضائع کرنے والا ہوگا" [الإنباه إلى حكم تارك الصلاة: ٢٩/١ عبد الله بن مانع الروقى]

اخلاقی پہلو: حسن اخلاق کی تعلیم دیتے ہوئے لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو گل افشانی گفتار، بڑوں کا احترام اور چھوٹوں سے محبت وغیرہ جیسی باتوں کی نصیحت نہیں کیا بلکہ دریا کو کوزے میں بند کرتے ہوئے طوالت کے بجائے اجمال کی راہ اختیار کیا اور فرمایا: ﴿وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ "(اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا، برے کاموں سے منع کیا کرنا)"

اور معروف ومنکر کو اسلامی شرع میں کہتے ہیں: **"اسم لكل فعل يعرف بالعقل أو الشرع حسنه، والمنكر ما ينكر بهما"** "معروف ہر وہ فعل جس کی درستگی شرعا وعقلاً معلوم ہو (کہ یہ اچھا عمل ہے)، منکر ہر وہ فعل جس کو شرع وعقل برا سمجھتے ہوں" [الأدب النبوى: ٢٧/١، محمد عبد العزيز الخولى (ت ١٣٤٩)]

معروف تمام قسم کے اعمالِ حسنہ اور منکر تمام قسم کے منکرات و برے اعمال وافعال کو شامل ہے اس کے باوجود تکبر جیسی مذموم برائی سے اجتناب کرنے کی نصیحت، کبر وغرور کی مذمت اور اس کے خطرناکی کو بیان کرتا ہے۔

یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو شرک اور اقامتِ صلاۃ کی تعلیم دینے کے بعد ان کی نشر واشاعت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:"وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ"، معلوم ہوا کہ تعلیم وعمل کا مرحلہ پہلے ہے، تعلم کا بعد میں۔ پہلے خود توحید پرست اور نماز کے پابند بنیں اس کے بعد لوگوں کو ان کی طرف دعوت دیں۔

اسی لیے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:"إن الآمر الناهي لا يستقيم له أمره ونهيه حتى يكون أول مأمور ومنهي" "خیر کے داعی اور شر سے منع کرنے والے کی امر ونہی کی کوئی قدر نہیں ہوگی حتیٰ کہ پہلے وہ خود بھلائی کو اپنانے والا اور برائی سے اجتناب کرنے والا ہو" [عدة الصابرين وذخيرة الشاكرين: ۲۹/۱،ابن القيم :(ت ۷۵۱)]

لقمان حکیم کی ان حکیمانہ باتوں کے اندر والدین کے لیے بچوں کی تربیت کے تعلق سے منظم اور عمدہ اصول پنہاں ہیں کہ:

۱: سب سے پہلے بچوں کے کورے کاغذ کے مثل ذہن ودماغ میں ایمان وعقیدے کی باتیں بٹھائی جائیں۔عقیدے کی بنیادی کتابیں پڑھائی جائیں۔ ۲: نماز جیسی اہم عبادت کا طریقہ سکھایا جائے اور اس کی عادت ڈالی جائے۔ ۳: حسن اخلاق اور اعلیٰ کردار کی تعلیم دی جائے، نبی ﷺ کی سیرت طیبہ اور اسلاف امت کے ایمان افروز واقعات سنائے جائیں۔

لقمانِ حکیم کی قرآن میں مذکور حکیمانہ باتوں کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں جن کو جاننے کے لیے "صلاح البیوت" نامی کتاب کی طرف رجوع کرنا فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ چند اقوال نقل کیے جارہے ہیں:

"يا بني:لا تركن إلى الدنيا ولا تشغل قلبك بها فإنك لم تخلق لها"

"اے میرے بیٹے: تو دنیا سے دل مت لگا اور اس میں اپنے دل کو مشغول مت رکھ اس لیے کہ تو اس کی خاطر نہیں پیدا کیا گیا"

"يا بني: ما ندمت على السكوت قط" "اے میرے بیٹے: سکوت اختیار کرنے پر کبھی بھی میں شرمندہ نہ ہو"

"يابني:أول الغضب جنون، وآخره ندم" "اے میرے بیٹے: غصے کی ابتدا پاگل پن اور انتہا شرمندگی ہے"

يا بني: "مثل المرأة الصالحة مثل التاج على رأس الملك، ومثل المرأة السوء كمثل الحمل الثقيل على ظهر الشيخ الكبير" "اے میرے بیٹے: نیک عورت کی مثال بادشاہ کے سر پر رکھے ہوئے تاج کی مانند ہے اور بداخلاق عورت کی مثال بوڑھے انسان کی پیٹھ پر رکھے ہوئے بھاری بھرکم بوجھ کی مانند ہے"

"يا بني:لا تؤخر التوبة فإن الموت يأتي بغتة" "اے میرے بیٹے: توبہ کرنے میں تاخیر مت کر اس لیے کہ موت اچانک آتی ہے" [صلاح البيوت: ۲٤۲/۱ محمد على محمد ،العقد الفريد ۹٦/۳ ابن عبد ربه الأندلسي]

(قسط اول)

طلاق حیض، فتویٰ ابن عمر سے متعلق ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے شاگردوں کے الفاظ

کفایت اللہ سنابلی

اس سے پہلے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے فتویٰ سے متعلق اشکالات کا ازالہ پیش کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تفصیل کے ساتھ یہ بتادیا جائے کہ ان کے طلاق حیض والے واقعہ سے متعلق جو اقوال منقول ہیں ان میں کون سے الفاظ ان کے اپنے ہیں، اور کون سے الفاظ ان کے شاگردوں کے ہیں، اور ان سارے الفاظ کا درست معنیٰ ومفہوم کیا ہے۔

اس کی وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ کچھ لوگ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے شاگردوں کے الفاظ کو ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط کردیتے ہیں، اسی طرح ان الفاظ کے مفہوم ومراد کو بیان کرنے میں بھی غلطی کرجاتے ہیں، چنانچہ بعض لوگ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے موقوف قول کو مرفوع سمجھ بیٹھتے ہیں بلکہ حد ہوگئی کہ کچھ لوگوں نے ان کے شاگرد کے الفاظ کو بھی مرفوع باور کرلیا جو کہ مرفوع تو دور کی بات موقوف بھی نہیں ہے بلکہ مقطوع ہے۔

واضح رہے کہ آئندہ سطور میں ہم صرف انہی روایات کو پیش کریں گے جن میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ حیض کے ساتھ اس سے متعلق ابن عمر رضی اللہ عنہ کا، یا اس سے نیچے کسی راوی کا قول بھی موجود ہو نیز اس سلسلے میں بھی صرف وہی روایات پیش کی جائیں گی جو صحیح سندوں سے قائل سے ثابت ہیں، ہم بالترتیب سب سے پہلے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ دیکھیں گے، پھر ان کے شاگردوں کے اقوال ذکر کریں گے، اس کے بعد ان سے بھی نچلے راوی کا جو قول ہے وہ ذکر کریں گے، ملاحظہ ہو:

☆ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ :

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طلاق حیض والی روایت کو ان کے کئی شاگردوں نے نقل کیا ہے مگر اس روایت کے ساتھ ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو بھی نقل کرنے والے ان کے صرف تین شاگرد ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ انس بن سیرین ۲۔ یونس بن جبیر ۳۔ سالم بن عبداللہ

اب بالترتیب ہم ان تینوں شاگردوں کی روایات کو دیکھتے ہیں۔

(۱) پہلے شاگرد انس بن سیرین:

انس بن سیرین کی روایت درج ذیل دو طرق سے ثابت ہے: طریق عبدالملک بن میسرۃ، طریق شعبۃ بن الحجاج

(۱) پہلا طریق: عبدالملک بن میسرۃ

اس طریق کوعبدالملک بن میسرۃ کے درج ذیل شاگردوں نے بیان کیا ہے:

☆ روایت خالد بن عبداللہ:

قلت: فاعتددت بتلک التطليقة التى طلقت وهى حائض؟ قال :ما لى لا أعتد بها ؟ وإن كنت عجزت واستحمقت.[صحيح مسلم :رقم:١٤٧١]

☆ روایت یزید بن ہارون:

قلت له: هل اعتددت بالتى طلقتها وهى حائض ؟ قال : فما لى لا أعتد بها ؟ وإن كنت قد عجزت واستحمقت.[مسند أحمد ط الميمنية:٤٣/١،وإسناده صحيح]

☆ روایت محمد بن عبید:

هل اعتددت بالتى طلقتها وهى حائض ؟ قال :وما لى لا أعتد بها ؟ إن كنت عجزت واستحمقت. [مسند أحمد ط الميمنية:١٢٨/٢،وإسناده صحيح]

☆ روایت یعلی بن عبید:

قلت: فاعتددت بتلک التطليقة التى طلقت وهى حائض؟، فقال:مالى لا أعتد بها ؟وإن كنت عجزت واستحمقت.[مستخرج أبى عوانة :١٥٠/٣،وإسناده صحيح]

(۲) دوسرا طریق: شعبۃ بن الحجاج: اس طریق کوشعبہ کے درج ذیل شاگردوں نے بیان کیا ہے:

☆ روایت محمد بن جعفر:

ابن بشار کے الفاظ **قلت لابن عمر :أفاحتسبت بتلک التطليقة؟ قال: فمه؟** [صحيح مسلم : رقم: ١٤٧١]

امام احمد کے الفاظ: **قلت لابن عمر :أحسب تلک التطليقة؟ قال :فمه؟**[مسند أحمد ط الميمنية: ٧٨/٢،وإسناده صحيح]

☆ روایت بہز بن أسد:

امام احمد کے الفاظ: **قلت: احتسب بها؟ قال :فمه؟** [مسند أحمد ط الميمنية:٧٤/٢،وإسناده صحيح]

امام احمد ہی کے الفاظ: **قال :بهز أتحتسب ؟**[مسند أحمد ط الميمنية:٦١/٢،وإسناده صحيح]

☆ روایت یزید بن ہارون:

فقلت لابن عمر :اعتدت بتلک التطليقة؟ قال:فمه؟ [المنتقى لابن الجارود :ص:١٨٣وإسناده صحيح]

☆ روایت ہاشم بن القاسم:

قال: فقلت له:أفتحتسب بها؟ قال:فمه؟ [مستخرج أبی عوانة:۱٤۹/۳ وإسناده صحیح]

☆ روایت حجاج بن محمد:

ابن خزیمہ کے الفاظ: **فقیل:أیحتسب بها؟ قال:فمه؟** [شرح معانی الآثار:۵۲/۳،وإسناده صحیح]

ابوالولید کے الفاظ: **فقلت له:أفتحتسب بها؟ قال:فمه؟** [مستخرج أبی عوانة:۱٤۹/۳،وإسناده صحیح]

ابن حیویۃ کے الفاظ: **قال: فقلت له:أفتحتسب بها؟ قال:فمه؟** [مستخرج أبی عوانة:۱٤۹/۳ وإسناده صحیح]

علی بن الحسن کے الفاظ: **فقلت له یعنی لابن عمر:یحتسب بها؟ قال :فمه؟** [السنن الکبریٰ للبیهقی: ۵۳۳/۷،وإسناده صحیح]

ان تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ انس بن سیرین رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ اپنی طلاق حیض کوشمار کریں گے؟ تو انہوں نے جو جواب دیا مذکورہ روایات کی روشنی میں اس کے مجموعی الفاظ یہ ہیں:

”فمه ، ما لی لا أعتد بها، أرأیت وإن کنت عجزت واستحمقت“

”تو پھر کیا؟ میں کیوں اسے شمار نہ کروں؟ گرچہ مجھ سے عاجزی اور ناسمجھی سرزد ہوگئی مگر اس سے کیا فرق پڑے گا“؟

(۲) دوسرے شاگرد یونس بن جبیر:

یونس بن جبیر کی روایت درج ذیل دوطرق سے ثابت ہے:

طریق محمد بن سیرین　　طریق قتادہ بن دعامۃ

(۱) پہلا طریق: محمد بن سیرین: اس طریق کو محمد بن سیرین کے درج ذیل شاگردوں نے بیان کیا ہے:

☆ روایت یزید بن ابراہیم:

حجاج بن منہال کے الفاظ: **قلت:فتعتد بتلک التطلیقة؟ قال :أرأیت إن عجز واستحمق.** [صحیح البخاری :رقم:۵۳۳۳]

عبداللہ بن مسلمۃ کے الفاظ: **”قلت:فیعتد بها؟، قال:فمه، أرأیت إن عجز واستحمق“** [سنن أبی داؤد: رقم:۲۱۸٤،وإسناده صحیح]

☆ روایت یونس بن عبید:

یونس بن عبید سے اسے ابن علیۃ نے نقل کیا ہے پھر ان سے یعقوب بن ابراہیم نے نقل کیا اور ان سے امام مسلم ور

امام نسائی نے نقل کیا ہے۔

امام مسلم کے الفاظ: **فقلت له :إذا طلق الرجل امرأته وهى حائض، أتعتد بتلك التطليقة؟ فقال : فمه؟ أو إن عجز واستحمق؟**[صحيح مسلم :رقم:١٤٧١]

امام نسائی کے الفاظ: **قلت له :إذا طلق الرجل امرأته وهى حائض، أيعتد بتلك التطليقة؟ فقال : مه؟ وإن عجز واستحمق.**[سنن النسائى :رقم:٣٤٠٠،وإسناده صحيح]

☆ روایت أیوب بن کیسان:

اسماعیل ابن علیۃ کے الفاظ:

قلت: أفحسبت عليه؟ قال:فمه، أو إن عجز، واستحمق.[صحيح مسلم :رقم:١٤٧١]

حماد بن زید کے الفاظ:

(قتیبۃ کے یہاں): **قلت:فيعتد بتلك التطليقة؟ قال :فمه؟ أرأيت إن عجز واستحمق.**[سنن الترمذى :رقم:١١٧٥،وإسناده صحيح]

(مسدد وغیرہ کے یہاں) **قلت:تعتد بتلك التطليقة، قال :فمه؟ أرأيت إن عجز واستحمق؟**[مستخرج أبى عوانة: رقم:٤٥١٩،وإسناده صحيح]

☆ روایت ہشام بن حسان:

عبدالأعلی کے الفاظ:

قلت: أيعتد بتلك؟ قال:أرأيت إن عجز واستحمق؟ [سنن ابن ماجه :رقم:٢٠٢٢،وإسناده صحيح]

وہب بن جریر کے الفاظ:

قلت : وتعتد بتلك التطليقة؟، قال:فمه أرأيت إن عجز واستحمق؟ [مستخرج أبى عوانة: رقم:٤٥٢٠،وإسناده صحيح]

ابن إدریس کے الفاظ:

قيل لابن عمر :أكنت اعتددت بتلك التطليقة؟ ، فقال :ومالى لا أعتد بها وإن كنت عجزت واستحمقت.[سنن الدارقطنى، ت الارنؤوط:١٦/٥،وإسناده صحيح]

(۲) دوسرا طریق: قتادہ بن دعامۃ: اس طریق کو قتادہ کے درج ذیل شاگردوں نے بیان کیا ہے:

☆ روایت ہمام بن یحییٰ:

حجاج بن منہال کے الفاظ:

قلت: فهل عد ذلک طلاقا؟ قال:أرأيت إن عجز و استحمق؟ [صحيح البخاری: رقم:٥٢٥٨]

☆ روایت شعبہ:

شعبہ سے اسے سلیمان بن حرب اور محمد بن جعفر نے نقل کیا ہے۔

☆ سلیمان بن حرب کے الفاظ:

قلت: تحتسب؟ قال:أرأيت إن عجز و استحمق.[صحيح البخاری :رقم:٥٢٥٢]

☆ محمد بن جعفر کے الفاظ:

ان سے ابن المثنی اور امام احمد نے نقل کیا ہے۔ (ابن المثنی کے یہاں):

مسلم عنه :فقلت لابن عمر :أفاحتسبت بها؟ قال :ما يمنعه؟ أرأيت إن عجز، و استحمق.

[صحيح مسلم :رقم:١٤٧١]

نسائی عنه: قلت لابن عمر :فاحتسبت منها؟ فقال:ما يمنعها؟ أرأيت إن عجز و استحمق.[سنن النسائي: رقم:٣٥٥٥،وإسناده صحيح]

(امام احمد کے یہاں): **فقلت لابن عمر : أفتحتسب بها ؟ قال: ما يمنعه؟ نعم أرأيت إن عجز و استحمق.**[مسند أحمد ط الميمنية:٧٩/٢، وإسناده صحيح]

نوٹ: نعم کا لفظ صرف امام احمد کے یہاں ہے، ابن المثنی کے یہاں نہیں ہے، اور نہ ہی ہمام کی روایت میں ہے اور نہ ہی محمد بن سیرین کے طریق میں ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس کا اضافہ معنوی طور پر ہے۔

ان تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ یونس بن جبیر رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ اپنی طلاق حیض کو شمار کریں گے؟ تو انہوں نے جو جواب دیا مذکورہ روایات کی روشنی میں اس کے مجموعی الفاظ یہ ہیں:

"فمه، ما يمنعه ومالی لا أعتد بها نعم أرأيت إن عجز و استحمق"

"تو پھر کیا؟ اس سے کیا مانع ہے؟ ہاں! اور میں کیوں اسے شمار نہ کروں؟ اگر عاجزی اور ناسمجھی سے ہی ایسا ہو جائے تو اس سے کیا فرق پڑے گا"؟

(۳) تیسرے شاگرد سالم بن عبداللہ:

سالم بن عبداللہ سے یہ روایت امام زہری نے نقل کی ہے پھران سے دوطریق سے یہ روایت مروی ہے:

طریق محمد بن عبداللہ الزہری طریق محمد بن الولید الزبیدی

(۱) پہلاطریق: محمد بن عبداللہ الزہری

اس طریق کو محمد بن عبداللہ الزہری سے یعقوب بن إبراہیم نے بیان کیا ہے پھران سے ان کے درج ذیل شاگردوں نے بیان کیا ہے:

روایت عبد بن حمید:

"وكان عبد اللّٰه طلقها تطليقة واحدة، فحسبت من طلاقها، وراجعها عبد اللّٰه كما أمره رسول اللّٰه" [صحيح مسلم :رقم:١٤٧١]

روایت امام احمد:

وكان عبد اللّٰه طلقها تطليقة ، فحسبت من طلاقها وراجعها عبد اللّٰه كما أمره. [مسند أحمد ط الميمنية:٢/ ١٣٠،وإسناده صحيح]

روایت محمد بن یحییٰ:

وكان عبد اللّٰه طلقها تطليقة، فحسب من طلاقها وراجعها عبد اللّٰه كما أمره رسول اللّٰه.

[مستخرج أبي عوانة: رقم:٤٥١١،وإسناده صحيح]

(۲) دوسراطریق: محمد بن الولید الزبیدی

اس طریق کو محمد بن الولید الزبیدی سے ان کے شاگرد محمد بن حرب نے بیان کیا ہے پھران سے ان کے درج ذیل شاگردوں نے بیان کیا ہے:

روایت یزید بن عبدربہ:

قال ابن عمر:فراجعتها، وحسبت لها التطليقة التي طلقتها.[صحيح مسلم :رقم:١٤٧١]

روایت کثیر بن عبید:

قال عبد اللّٰه بن عمر: فراجعتها وحسبت لها التطليقة التي طلقتها .[سنن النسائي: رقم:٣٣٩١، وإسناده صحيح]

یہاں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ امام زہری کے دونوں شاگردوں محمد بن عبداللہ الزہری اور محمد بن الولید الزبیدی کی

روایت میں اختلاف ہے، پہلے نے سالم کا اپنا قول نقل کیا ہے جبکہ دوسرے نے سالم کے ذریعہ ابن عمر کا قول نقل کیا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ سالم نے کبھی اس روایت پر خود کا تبصرہ پیش کیا ہے اور کبھی ابن عمر کا قول نقل کیا ہے۔

لیکن جس روایت میں ابن عمر کا قول ذکر کیا ہے اس میں "فراجعتها" کے بعد "وحسبت لها التطليقة التي طلقتها" کے جو الفاظ ذکر کیے ہیں یہ دراصل معنوی طور پر وہی جواب ہے جسے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو دیا تھا۔جیسا کہ مسلم کی درج ذیل روایت سے واضح ہے:

امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی ۲۶۱) نے کہا:

حدثنا يحيى بن يحيى، أخبرنا خالد بن عبد الله، عن عبد الملک، عن أنس بن سيرين، قال: سألت ابن عمر عن امرأته التي طلق، فقال:طلقتها وهي حائض، فذكر ذلک لعمر، فذكره للنبي صلى الله عليه وسلم، فقال :مره فليراجعها، فإذا طهرت فليطلقها لطهرها، قال :فراجعتها، ثم طلقتها لطهرها، قلت :فاعتددت بتلک التطليقة التي طلقت وهي حائض؟ قال :ما لي لا أعتد بها، وإن كنت عجزت واستحمقت .

انس بن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی اس بیوی کے بارے میں پوچھا جسے انہوں نے طلاق دیا تھا،تو انہوں نے کہا: میں نے اسے حالت حیض میں طلاق دے دی تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر نبی ﷺ سے کیا ،تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان سے کہو کہ اپنی بیوی واپس لیں، پھر جب وہ پاک ہوجائے تو اس کی پاکی میں اسے طلاق دے سکتے ہیں،ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ : پھر میں نے اسے واپس لیا اور اس کی طہر کی حالت میں اسے طلاق دیا۔

میں (انس بن سیرین) نے کہا: کیا آپ نے اس طلاق کو شمار کیا جسے آپ نے اس کی حیض کی حالت میں دیا تھا؟ تو انہوں نے کہا: میں کیوں نہ اسے شمار کروں گر چہ مجھ سے عاجزی اور ناسمجھی سرزد ہوئی؟ [صحيح مسلم :۱۰۹۷/۳ ، رقم:۱٤۷۱]

اس روایت میں دیکھئے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت میں صرف "فراجعتها" کہہ کر صرف اپنی بیوی واپس لینے کا ذکر کیا،اس کے بعد جب ان سے اس طلاق کو شمار کرنے سے متعلق سوال ہوا تو انہیں نے کہا کہ میں اسے کیوں نہ شمار کروں۔

معلوم ہوا کہ سالم بن عبداللہ نے بھی معنوی طور پر وہی بات ذکر کی ہے جسے ان کے دونوں شاگرد انس بن سیرین اور یونس بن جبیر نے ذکر کیا ہے۔

قارئین کرام! عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اپنے الفاظ جوان کے تین شاگردوں (۱) انس بن سیرین (۲) یونس بن جبیر اور (۳) سالم بن عبداللہ نے نقل کیے وہ پوری تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے ہیں، ان الفاظ پر غور کرنے سے درج ذیل چیزیں سامنے آتی ہیں:

الف: ابن عمر رضی اللہ عنہ کے جواب میں سختی ظاہر ہے۔

ب: ابن عمر رضی اللہ عنہ کی کسی بھی روایت میں یہ صراحت نہیں ہے کہ انہوں نے عہد رسالت میں ہی اپنی حیض والی طلاق کو شمار کرلیا تھا بلکہ شاگردوں کے سوال وجواب سے صاف واضح ہے کہ جب شاگردوں کے سوالات سامنے آئے تو ان کے جوابات میں انہوں نے اپنی طلاق حیض کو شمار کیا۔

ج: ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کئی بار ہوا لیکن انہوں نے جواب میں کسی بھی دفعہ کوئی مرفوع حدیث نہیں پیش کی ہے، بلکہ محض اپنی رائے پیش کی ہے، اور اسے اللہ کے نبی ﷺ کی طرف قطعاً منسوب نہیں کیا ہے۔

د: اللہ کے نبی ﷺ نے ان کی طلاق حیض کو قطعاً شمار نہیں کیا تھا اگر ایسا ہوتا تو ابن عمر رضی اللہ عنہ صرف ایک بار پوچھنے پر ہی نبی ﷺ کی حدیث پیش کردیتے، یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ کسی مسئلہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ ایسا جواب رکھتے ہوں جس پر ان کے علم میں صریح نص حدیث بھی موجود ہو، پھر بھی وہ جواب پیش کرتے ہوئے نص حدیث کو چھوڑ کر محض اپنی رائے اور قیاس پیش کریں وہ بھی صرف ایک بار نہیں بلکہ ہر بار سوال پوچھے جانے پر ایسا ہی کریں۔

اب اگلی سطور میں وہ اقوال دیکھئے جو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اپنے اقوال نہیں ہے اور نہ ہی ان کے واسطے سے نقل کئے گئے ہیں بلکہ یہ ان کے شاگردوں یا بعد کے راوی کے الفاظ ہیں:

☆ **سالم بن عبد اللہ کے الفاظ :**

سالم نے دوسری روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے واسطے کوئی بات نہیں کی ہے بلکہ اپنے الفاظ میں کہا ہے:

"وكان عبد اللّٰه طلقها تطليقة واحدة، فحسبت من طلاقها، وراجعها عبد اللّٰه كما أمره رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم"

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک طلاق دی تھی، اور ان کی طلاق شمار کی گئی، اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو واپس لیا جیسا کہ انہیں اللہ کے نبی ﷺ نے اس کا حکم دیا تھا'' [صحيح مسلم :رقم: ١٤٧١]

یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ کے الفاظ نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے واسطے سے بیان کی ہوئی بات ہے بلکہ یہ سالم بن عبداللہ کا مرسل بیان ہے۔

☆ **نافع مولیٰ ابن عمر کے الفاظ :**

نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے کوئی بات نہیں کی ہے بلکہ اپنے الفاظ میں کہا ہے:

قال عبید اللّٰہ: قلت لنافع:"ما صنعت التطلیقة؟ قال:واحدة اعتد بها "

عبیداللہ نے کہا: میں نے نافع سے پوچھا: ''اس طلاق کا کیا ہوا؟ تو نافع نے جواب دیا: یہ ایک طلاق تھی جسے شمار کیا گیا'' [صحیح مسلم :رقم:۱٤۷۱]

اس میں بھی وہی بات ہے یعنی یہ نافع کا اپنا بیان ہے جو مرسل ہے، کیونکہ اس کے لیے انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا واسطہ ذکر نہیں کیا ہے۔

☆ **عبید اللّٰہ العدوی کے الفاظ :**

عبیداللہ العدوی نے اس واقعہ کی اصل روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے براہ راست روایت نہیں کی ہے بلکہ نافع کے واسطے سے نقل کی ہے، اس لیے اس روایت میں یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے شاگرد نافع کے شاگرد ہیں، لیکن انہوں نے یہ قول نافع یا کسی بھی واسطے سے نقل نہیں کیا، بلکہ اپنے الفاظ میں براہ راست بیان کرتے ہوئے کہا ہے جیسا کہ ان سے نچلے راوی نے کہا:

قال عبید اللّٰہ:"وکان تطلیقه إیاها فی الحیض واحدة غیر أنه خالف فیها السنة "

عبیداللہ کہتے ہیں: ''کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حالت حیض میں جو طلاق دی تھی ایک طلاق تھی یہ اور بات ہے کہ انہوں نے اس میں سنت کی مخالفت کی تھی'' [مسند عمر بن الخطاب للنجاد: ص:٤۹]

یہ عبیداللہ کا قول ہے جو اس روایت میں ابن عمر کے شاگرد (نافع) کے شاگرد ہیں۔

مؤخر الذکر ان تینوں اقوال میں سے کوئی بھی قول ابن عمر رضی اللہ عنہ کا نہیں ہے بلکہ ان کے شاگردوں کا یا ان کے شاگرد کے شاگرد کا بیان ہے۔

مذکورہ تفصیل سے ہمارے سامنے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے طلاق حیض کو شمار کئے جانے سے متعلق جتنے بھی اقوال ہیں ان میں کوئی قول بھی مرفوع نہیں ہے بلکہ یا تو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اپنے الفاظ ہیں، یا ان کے شاگردوں کے ہیں یا بعد کے رواۃ کے الفاظ ہیں۔

اب رہا سوال یہ کہ طلاق حیض کو شمار کئے جانے کا قول گرچہ مرفوع نہیں ہے لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا قول تو ہے! تو کیا یہ دلیل نہیں ہے؟ تو اس سے متعلق تفصیلات اگلے حصہ میں ان شاء اللہ۔

جاری ہے.....

عقیدۂ توحید کی اہمیت وفضیلت قرآن وحدیث کی روشنی میں

فرزانہ صالحاتی

محترم قارئین: کیا آپ بتلا سکتے ہیں وہ کون سی چیز ہے کہ صرف اسی کے لیے اللہ تعالیٰ نے زمین پر بے شمار نبیوں اور رسولوں کو مبعوث فرمایا؟ وہ کون سی چیز ہے جو دین اسلام کی روح ہے؟ وہ کون سی چیز ہے جس کے ذکر سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے؟ وہ کون سی دولت ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا شہید ہوجانا گوارا کرلیا مگر اس دولت سے ہاتھ نہیں دھویا؟ وہ کون سی چیز ہے جس کے لیے فرعون کی بیوی آسیہ نے باخوشی موت کو گلے لگانا پسند کیا؟ وہ کون سی چیز ہے جس کے لیے آپ ﷺ اور صحابۂ کرام نے اس قدر تکلیفیں اٹھائیں؟ وہ دولت توحید کی دولت ہے۔

ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام میں اس دولت کی قدر ومنزلت کیا ہے؟

توحید دین اسلام کی بنیاد ہے، توحید سب سے پہلا فرض ہے جس کا اقرار کرنا اور اسے دل وجان سے قبول کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے، توحید وہ چیز ہے جس کے بغیر کوئی انسان دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا، توحید ہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگیں ہوتی رہیں اور ان گنت مسلمانوں نے اس کے لیے اپنی جانوں کو قربان کر کے جام شہادت نوش فرمایا، توحید ہی وہ اساسی فریضۂ دین ہے جو اسلام اور کفر کے درمیان فرق کرتا ہے، توحید ہی وہ چیز ہے کہ اگر اسے کما حقہ قبول کرلیا جائے اور اس کے تقاضوں کو پورا کیا جائے اور اسی پر موت آجائے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے اور اگر اسے کما حقہ قبول نہ کیا جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے جہنم کی وعید سنائی ہے اور اسے قبول نہ کرنے والے انسان پر جنت کو حرام کردیا ہے۔

قارئین کرام! جب انسان کی نجات اور کامیابی وکامرانی کے لیے عقیدۂ توحید اس قدر اہم ہے تو سب سے پہلے ہم یہ جانیں گے کہ عقیدۂ توحید کیا ہے؟

کتاب اللہ اور احادیث نبوی میں عقیدۂ توحید جن چھ چیزوں پر مشتمل ہے انہی چھ اسلامی بنیادی عقائد کو آپ ارکان ایمان کے نام سے جانتے ہیں۔

آمنت باللّٰہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر والقدر خیرہ وشرہ من اللّٰہ تعالیٰ والبعث بعد الموت.

۱: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، ۲: اس کے فرشتوں پر ایمان لانا، ۳: اس کی کتابوں پر ایمان لانا، ۴: اس کے رسولوں پر ایمان لانا، ۵: قیامت کے دن پر ایمان لانا، ۶: اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لانا۔

اسی طرح مرکر دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان ہو،اسی کو آخرت کے دن پر ایمان رکھنا کہا جاتا ہے۔

توعقیدۂ توحیدان چھ ارکان میں سے پہلے رکن سے تعلق رکھتا ہے۔

قارئین! اب عقیدۂ توحید کا معنیٰ ومفہوم جانیں گے۔

لغوی معنی: کسی چیز کو ایک جاننا ایک ماننا۔

شرعی معنی: اللہ کو اس کے افعال،عبادات اور اس کے اسماء وصفات میں اکیلا اور یکتا ماننا۔

مفہوم: اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں واحد،اکیلا اور لاثانی ہے اس کی صفات میں اس کا کوئی شریک نہیں،تمام کائنات کو پیدا کرنے والا صرف ایک اللہ ہے،اس کے سامنے ساری مخلوق اور دنیا کی طاقتیں ہیچ ہیں،زندگی وموت، صحت وبیماری،نفع نقصان سب اس کے اختیار میں ہے،کسی مخلوق کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

یادرکھیں! توحید یہ نہیں ہے کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق ومالک سمجھیں تو بس کافی ہوگیا ہرگز نہیں۔ بلکہ توحید تو اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک بندہ اللہ تعالیٰ کو اس کے افعال،عبادات اور واسماء وصفات میں اکیلا نہ مان لے۔

قارئین! الحمدللہ ہم نے توحید کی تعریف جان لی لیکن اس کی قسمیں کیا ہیں اور کتنی ہیں یہ جاننا بے حد ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر ہم توحید کے اصل مفہوم کو سمجھ نہیں پائیں گے۔

توحید کی تین قسمیں ہیں!

۱۔توحیدالوہیت، ۲۔توحیدربوبیت، ۳۔توحیداسماءوصفات

پہلی قسم: توحیدالوہیت

اس سے مراد یہ ہے کہ عبادات میں اللہ تعالیٰ کو یکتا مانا جائے،اور تمام قسم کی عبادات صرف اسی کے لیے انجام دی جائیں۔مثلاً،رکوع،سجدہ،قربانی،نذرونیاز،دعا،مصیبت کے وقت صرف اور صرف اسی سے مدد طلب کرنا،اسی سے امیدیں وابستہ رکھنا،اسی کو مشکل کشا اور حاجت روا تسلیم کرنا،ہر چیز اسی سے مانگنا حتی کہ اگر جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اسی سے مانگنا،بندہ کو نمک کی بھی ضرورت پیش آئے تو وہ بھی اسی سے طلب کرنا ہے۔اللہ اکبر۔

الغرض ہر قسم کی عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے بجالائے اور غیراللہ کی محبت کو دل سے نکال کر صرف اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنے دل میں بسائے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

''آپ کہئے کہ میری نماز اور میری قربانی، اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین کے لیے ہے'' [الانعام:۱۶۲]

اب اگر کوئی شخص وہ تمام کام جو اللہ کے لیے سرانجام دیئے جاتے ہیں ان میں سے کوئی بھی کام غیر اللہ کے لیے کرے، رکوع، سجدہ، قربانی، نذر و نیاز وغیرہ تو اس نے بہت بڑا شرک کیا اور جب تک وہ ایسا کرتا رہے گا اس کی کوئی نیکی قبول نہیں ہوگی اور اگر اسی حالت میں بغیر توبہ کیے وہ مر گیا تو وہ ہمیشہ کا جہنمی ہے۔ معاذ اللہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اپنے اکیلے معبود برحق ہونے کا اعلان کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات ہیں۔

﴿وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ ''تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں وہ بہت رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے'' [البقرۃ:۱۶۳]

﴿فَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا﴾ ''تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے پس تم سب اسی کے فرمانبردار بن جاؤ'' [الحج:۳۴]

﴿اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ﴾ ''بیشک تمہارا معبود ایک ہی ہے'' [الصف:۴]

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـــًٔا﴾ ''اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ'' [النساء:۶]

﴿فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ﴾ ''پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود سمجھ کر مت پکار یں اگر (بالفرض) آپ نے بھی ایسا کیا تو آپ کو بھی عذاب میں مبتلا کیا جائے گا'' [الشعراء:۲۱۳]

نوٹ: اس آیت میں شرک کی برائی کو واضح کیا گیا ہے، ورنہ کسی نبی سے شرک کا ارتکاب ناممکن ہے یہ بتایا گیا کہ اگر بفرض محال کسی نبی سے بھی شرک کا ارتکاب ہو جائے تو اس کو بھی معاف نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح احادیث نبوی میں بے شمار دلائل موجود ہیں۔

عَنْ عُثْمَانَ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:''مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، دَخَلَ الْجَنَّةَ''

عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ اس بات کو اچھی طرح جانتا تھا کہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی الٰہ نہیں (یعنی عقیدۂ توحید کو اچھی طرح سمجھتا تھا اور اسی عقیدہ پر موت تک قائم رہا) تو وہ شخص جنت میں داخل ہوگا'' [صحیح مسلم:۲۶]

عَنْ جَابِرٍ،قَالَ أَتَى النَّبِيَّ صلى اللّٰه عليه وسلم رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا الْمُوجِبَتَانِ فَقَالَ:''

مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ"

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اس نے آکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ وہ کون سی دو چیزیں ہیں جو واجب کر دینے والی ہیں (ایک چیز جنت کو واجب کرنے والی اور ایک چیز جہنم کو واجب کر دینے والی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا تھا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا کرتا تھا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا'' [صحیح مسلم:۹۳]

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قال سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ:" مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ"

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: ''جس شخص نے یہ گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں تو اللہ نے اس پر جہنم کی آگ کو حرام کر دیا'' [صحیح مسلم:۲۹]

دوسری قسم: توحید ربوبیت

یعنی ہم اس بات پر ایمان لائیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا تنہا خالق ہے، مالک ہے، مدبر ہے۔ تمام امور جیسے رزق عطا کرنا، زندہ کرنا، مارنا اور بارش نازل کرنا وغیرہ کی تدبیر کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ سُبْحٰنَه وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾

''اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا پھر تم کو مارے گا پھر تم کو زندہ کرے گا کیا تمہارے شریکوں میں سے (وہ جن کو تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ پکارتے ہو) کوئی ایسا ہے جو یہ کام (پیدا کرنا، رزق دینا، مارنا اور زندہ کرنا) کرسکتا ہو اللہ تعالیٰ پاک اور بلند ہے ان شریکوں کی شرکت سے پاک اور بلند ہے جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں'' [الروم:۴۰]

﴿وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ﴾ ''اور تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اللہ کی ہی طرف سے ہیں'' [النحل:۵۳]

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ ''وہ اللہ ایسی ذات ہے جس نے ہر اس چیز کو تمہارے لئے پیدا کیا جو زمین میں ہے'' [البقرۃ:۲۹]

﴿وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ﴾ ''اور جب میں بیمار ہوتا ہوں وہی مجھے شفا دیتا ہے'' (یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہی تھی) [الشعراء: ۸۰]

نوٹ: تو ہر مسلمان کا بھی یہی عقیدہ ہونا چاہئے کہ صحت دینے والا، شفا دینے والا، رزق دینے والا، پریشانیوں کو دور کرنے والا، حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے والا، مدد کرنے والا، مشکل کشا، حاجت روا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

تیسری قسم: توحید اسماء وصفات

اس سے مراد یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ان اسماء وصفات پر ایمان لائیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے ثابت کیا ہے، اور جنہیں اس کے نبی محمد ﷺ نے ثابت کیا ہے۔ ان پر بغیر تحریف، تعطیل، تکییف اور تمثیل کے اسی طریقے سے ایمان لایا جائے جیسا اس ذات عزوجل کے لائق ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

''اور اللہ کے بہت ہی اچھے اچھے نام ہیں، پس تم لوگ اسے انہی ناموں کے ذریعہ پکارو اور ان لوگوں سے تعلق نہ رکھو جو اس کے ناموں کو بگاڑتے ہیں (اس کے غلط معنی بیان کرتے ہیں) اور انہیں عنقریب ان کے کئے کی سزا دی جائے گی'' [الاعراف: ۱۸۰]

قرآن مجید کی ایک مکمل سورت اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر مشتمل ہے اور اس میں بیک وقت توحید کی تینوں اقسام شامل ہیں۔

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. اللّٰهُ الصَّمَدُ. لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ. وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾

''کہہ دو کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ کسی نے اس کو جنا، اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے'' [الاخلاص: ۱]

قارئین! لفظ ''الصمد'' پر غور کریں۔ اس کا معنی بے نیاز ہے یعنی کہ وہ ذات جس کو کسی کی ضرورت نہیں لیکن سب کو اس کی ضرورت ہے۔ اللہ اکبر

دوسری جگہ فرمایا: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾

''اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں، اور وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے'' [الشوریٰ: ۱۱]

اس آیت میں غور فرمائیں کہ اس میں تشبیہ کی نفی کر دی گئی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو مخلوقات کی صفات سے تشبیہ دینا قطعاً درست نہیں۔اس آیت میں دو صفات کا ذکر ''سمیع، بصیر'' کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا اور سنتا ہے لیکن اس کا دیکھنا اور سننا اسی طرح ہے جیسا کہ اس کی بڑائی اور کبریائی کے لائق ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کی باقی تمام صفات پر بھی ہمارا ایمان ہونا چاہئے۔ لیکن نہ تو تشبیہ اور تمثیل کو جائز تصور کرتے ہیں اور نہ ہی ان صفات کی کیفیت کو جانتے ہیں اور نہ ہی ان کی کیفیت بیان کرنے کو جائز تصور کرتے ہیں کیونکہ کیفیت کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ سے جب (الرحمٰن علی العرش استویٰ) کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا:''الإستواء معلوم، والكيف مجهول، والإيمانُ به واجِب، والسؤالُ عنه بدعة'' یعنی،استوی کا معنی معلوم ہے لیکن اس کی کیفیت معلوم نہیں ہے،اس پر ایمان لانا واجب ہے لیکن اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

قارئین! توحید کا معنیٰ ومفہوم اور اس کی اقسام جان لینے کے بعد آیئے اب یہ جانتے ہیں کہ انسانی زندگی میں عقیدۂ توحید کی کیا اہمیت ہے؟

ا: عقیدۂ توحید انبیاء کا اولین پیغام

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو متعدد تعلیمات وہدایات کے ساتھ مبعوث کیا،اور تمام انبیاء کرام کی اولین دعوت اور سب سے پہلا پیغام ومشن بالاتفاق اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعلان اور تمام معبودان باطلہ سے برأت کا اظہار تھا۔

جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّه لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾

''اور ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھی بھیجا،اس پر یہی وحی نازل کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس لیے تم سب میری ہی عبادت کرو'' [الانبیاء:۲۵]

قارئین! کتاب وسنت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم کو سب سے پہلے توحید ہی کی دعوت پیش کی تھی،اور سابقہ تمام انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام ہی کی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی دعوت کا آغاز عقیدۂ توحید ہی سے کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعَا الَّذِیْ لَه مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ﴾

''آپ کہئے کہ اے لوگو! میں تم سب کے لیے اس اللہ کا رسول ہوں جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے'' [الاعراف:۱۵۸]

۲: عقیدۂ توحید انسان کا مقصدِ وجود ہے

توحید نہ صرف انسان کا مقصد وجود ہے بلکہ جنات کو بھی اللہ تعالیٰ نے توحید یعنی صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں'' [الذاریات:۵۶]

قارئین! صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا حقیقی توحید ہے اور اس پر یقین رکھنا عقیدۂ توحید کہلاتا ہے جو ہمارا مقصد زندگی ہے۔ جیسا کہ مذکورہ آیت میں ''لیعبدون'' کا یہی معنیٰ ہے، لیکن مفسرین نے مزید صراحت کے ساتھ ''لیعبدون'' کا معنیٰ ''لیوحدون'' بتایا ہے یعنی تاکہ وہ میری توحید اختیار کریں۔[فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر للشوکانی]

نہ صرف جنات وانسانوں کا مقصدِ حیات توحید ہے بلکہ ہر چیز توحید میں مصروف ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ إِنَّه كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾

''ساتوں آسمان اور زمین اور جو مخلوقات ان میں پائے جاتے ہیں سبھی اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور ہر چیز صرف اسی کی حمد وثنا اور پاکی بیان کرنے میں مشغول ہے لیکن تم لوگ ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو، وہ بیشک بڑا بردبار بڑا معاف کرنے والا ہے'' [بنی اسرائیل:۴۴]

تسبیح کا مطلب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو بے عیب قرار دینا اور حمد کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کو خوبیوں سے متصف قرار دینا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک جہاں بہت بڑے عیب کی بات ہے وہیں اللہ تعالیٰ کی توحید بڑی خوبی کی بات ہے اس اعتبار سے ہر مخلوق تسبیح کے ساتھ حمد میں مشغول ہے یعنی توحید کی طرف مائل اور شرک سے دور اور بے زار ہے، واضح رہے کہ اس مفہوم کی جانب امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اشارہ کیا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ رکوع، سجدہ، قیام، دعا، نذر نیاز، قربانی، الغرض کوئی بھی عبادت خواہ چھوٹی ہو یا بڑی وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے کسی بھی غیر اللہ، پیر، ولی، بابا، مرشد کے لیے خاص کرنا حرام ہے عظیم گناہ ہے۔

﴿اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ ''بیشک شرک ظلم عظیم ہے'' [لقمان:۱۳]

یادرکھیں: اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہرانا بہت بڑا ظلم اور بدترین جرم ہے، یہ ایسا بھیانک وگھناؤنا عمل ہے کہ جو شخص شرک میں ملوث رہا اور توبہ کئے بغیر اس کی موت ہوگئی تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسکا ٹھکانہ جہنم ہے۔

۳: قرآن مجید کی ابتداء وانتہا اسی عقیدۂ توحید پر ہے۔

یعنی کہ قرآن کریم میں اقامتِ صلاۃ جیسی عبادات اور توبہ واستغفار جیسے تزکیۂ نفس کے کاموں میں سے پہلے عقائد، ایمانیات اور توحید کا ذکر کیا گیا ہے حتیٰ کہ قرآن مجید کی ہر آیت کا تعلق عقیدۂ توحید سے ہے۔

جیسا کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہر آیت توحید پر مشتمل، توحید کی شاہد، اور توحید کی طرف دعوت دینے والی ہے، کیونکہ قرآن مجید اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں اور اس کے اسماء حسنیٰ وصفات علیا کے بارے میں ہے تو یہ توحید علمی وخبری ہے، یا اللہ تعالیٰ کی عبادت۔

اور غیر اللہ سے برأت کے بارے میں ہے تو یہ توحید ارادی وطلبی ہے۔

لہٰذا ''الحمد للہ'' میں توحید، ''رب العالمین'' میں توحید، ''الرحمٰن الرحیم'' میں توحید، ''مالک یوم الدین'' میں توحید ''اِیاک نعبد'' میں توحید، الغرض قرآن کریم کی ہر آیت توحید پر مشتمل ہے۔

۴: عبادات کی قبولیت کی شرط صحیح عقیدہ وایمان پر منحصر ہے

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰی لَهَا سَعْیَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْکُوْرًا﴾

''اور جو کوئی آخرت چاہتا ہے اور اس کے لیے اس جیسی کوشش کرتا ہے وہ مومن ہوتا ہے تو ان کی کوششوں کا انہیں پورا بدلہ چکایا جائے گا'' [بنی اسرائیل:۱۹]

اسی طرح صحیح بخاری کی روایت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بُنِیَ الإِسْلاَمُ عَلٰی خَمْسٍ: ''شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِیتَاءِ الزَّکَاةِ، وَالحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے۔ اول گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا'' [صحیح بخاری:۸]

مذکورہ حدیث میں تمام اعمال وعبادات میں توحید ہی کا ذکر مقدم ہے تو پتہ یہ چلا کہ اولین ذکر وشرط توحید ہے اس کے بغیر کوئی بھی عبادت قابل قبول نہیں۔

مثلاً آپ نماز پڑھ رہے ہیں، روزہ رکھ رہے ہیں، حج وعمرہ ادا کر رہے ہیں، صدقات ادا کر رہے ہیں اور تمام اعمال صالحہ میں سبقت لے جا رہے ہیں مگر بندہ کے عقائد میں بگاڑ ہے، اس کا عقیدۂ توحید درست نہیں تو اس کی ساری عبادات وریاضات، اس کے تمام اعمال وحسنات اکارت وبرباد ہو جائیں گے، اس کی کوئی عبادت قابل قبول نہیں۔

کیونکہ توحید ہی کی بنا پر عبادات درست اور صحیح قرار دی جاتی ہیں اور اللہ تبارک تعالیٰ کے ہاں شرف قبولیت کا باعث بنتی ہیں۔

جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُه وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾

''اور جو ایمان لانے سے انکار کرے گا، اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے، اور وہ آخرت میں گھاٹا پانے والوں میں سے ہوگا'' [المائدۃ:۵]

اس نکتے کا حاصل یہ ہے کہ نیک عمل اور عبادت کی قبولیت کے لیے توحید وایمان اولین شرط ہے، اور کفر کی وجہ سے عبادتیں قبول نہیں کی جاتی ہیں، بلکہ کفر کی بنا پر سابقہ عمل بھی برباد ہو جائے گا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کفر وشرک پر قائم رہتے ہوئے کفار ومشرکین کے لیے مساجد کو آباد کرنے کی اجازت نہیں دی، بلکہ اس کا اختیار اہل ایمان کو دیا، علاوہ ازیں قرآن نے یہ بھی اعلان کیا کہ بفرض محال اگر انبیاء علیہم السلام حتیٰ کہ نبی ﷺ سے بھی اس کا صدور ہوتا تو لازماً ان کا بھی نیک عمل ضائع ہو جاتا۔

۵: عقیدۂ توحید گناہوں کی بخشش واخروی نجات کا ذریعہ

جس طرح عقیدۂ توحید بہترین زندگی اور اعمال کی قبولیت کے لیے شرط ہے اسی طرح اخروی نجات کے لیے بھی انتہائی ضروری ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ :فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ :''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ،يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ''

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو آگ سے محفوظ کر دیا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر ''لا إله إلا الله'' کہا'' [صحیح بخاری:۴۲۵]

اسی عقیدۂ توحید ہی کی بنا پر آسمان بھر گناہ اور زمین بھر خطائیں بھی معاف ہو جاتی ہیں جیسا کہ اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے:

عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِکٍ قَال:سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ،یَقُولُ : قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالَی :" یَا ابْنَ آدَمَ إِنَّکَ مَا دَعَوْتَنِی وَرَجَوْتَنِی غَفَرْتُ لَکَ عَلٰی مَا کَانَ فِیکَ وَلَا أُبَالِی،یَا ابْنَ آدَمَ لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوبُکَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِی غَفَرْتُ لَکَ وَلَا أُبَالِی،یَا ابْنَ آدَمَ إِنَّکَ لَوْ أَتَیْتَنِی بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَایَا ثُمَّ لَقِیتَنِی لَا تُشْرِکُ بِی شَیْئًا لَأَتَیْتُکَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً"

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: اللہ کہتا ہے: "اے آدم کے بیٹے! جب تک تو مجھ سے دعائیں کرتا رہے گا اور مجھ سے اپنی امیدیں اور توقعات وابستہ رکھے گا میں تجھے بخشتا رہوں گا، چاہے تیرے گناہ کسی بھی درجے پر پہنچے ہوئے ہوں، مجھے کسی بات کی پرواہ وڈر نہیں ہے، اے آدم کے بیٹے! اگر تیرے گناہ آسمان کو چھونے لگیں پھر تو مجھ سے مغفرت طلب کرنے لگے تو میں تجھے بخش دوں گا اور مجھے کسی بات کی پرواہ نہ ہوگی۔ اے آدم کے بیٹے! اگر تو زمین برابر بھی گناہ کر بیٹھے اور پھر مجھ سے (مغفرت طلب کرنے کے لیے) ملے لیکن میرے ساتھ کسی طرح کا شرک نہ کیا ہو تو میں تیرے پاس اس کے برابر مغفرت لے کر آوں گا (اور تجھے بخش دوں گا)" [سنن الترمذی: ۳۵٤۰]

مذکورہ حدیث سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے ہر گناہ کو معاف کرے گا چاہے اس کے گناہ آسمان وزمین کے برابر کیوں نہ ہوجائیں لیکن شرط ہے کہ بندہ مکمل توحید پر قائم رہے اس کی ذات، وصفات اور عبادات میں کبھی شرک نہ کیا جائے تو یہی توحید انسان کے گناہوں کی بخشش اور، اخروی نجات کا ضامن ہے۔

خلاصۂ کلام: توحید تمام احکام میں اولین حکم ہے، تمام عبادات میں مقدم فریضہ توحید ہے، توحید محور حیات ہے، عقیدۂ توحید سب سے افضل نیکی ہے، توحید ایمان کا سب سے افضل شعبہ ہے، توحید افضل عمل، بہترین دعا، عمدہ زندگی کا راز ہے، توحید نجات کا راستہ ہے، توحید کی بنا پر آسمان بھر گناہ اور زمین بھر خطائیں معاف ہوتی ہیں، توحید جنت میں داخلہ اور جہنم سے بچاؤ کا واحد ذریعہ ہے، توحید کامیابی کی کنجی ہے۔

تو ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ توحید پرست بنے توحید سب سے بڑی دولت ہے اس کی حفاظت گویا کی دنیا وآخرت کی کامیابی کی سعادت ہے۔ ایک مسلمان، موحد کو اللہ تعالیٰ کی الوہیت، ربوبیت اور اسماء وصفات میں ذرہ برابر بھی شرک کی مداخلت کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام کو توحید پرست بنائے، اللہ تعالیٰ کی توحید کو شرک کی آمیزش سے پاک رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، ہمارے دلوں کو ایمان سے بھر دے۔ آمین یارب العالمین

IIC MONTHLY RATION PACKAGE

بیوہ، یتیم، غرباء، مساکین اور ضرورت مندوں کا سہارا بنیں!

Bewah, Yateem, Gurba, Masakeen Aur Zarooratmando'n Ka Sahara Bane'in!

Per Package ₹1600/-

Rice 10 kg.	Wheat Flour(Chakki) 10 kg.	Tuwar Dal 1 kg.	Vatana Dal 1 kg.
Masoor Dal 1 Kg.	Sugar 2 kg.	Tea 500 gm.	Refined Oil 3 liter
Mirchi Powder 100 gm.	Dhaniya Powder 100 gm.	Haldi Powder 100 gm.	Salt 1 kg.

Distribute By : IIC-Mumbai

"Kya Aap Chahte Hai'n Ki Allah Ne Aapko Jo Riz'q Diya Hai Us Mei'n Se Ek Mahine Ka Ration Aap Kisi Zarooratmand Ko Dei'n ?"

Aiye Khidmate Khalq Ke Is Mission Mei'n
Hamara Ta'aawun Karei'n- Jazakumullahu Khaira

Contact Karen Call or Whatsapp : 8291 063 785

ICICI BANK : Account Name : ILM FOUNDATION (Savings),
Account No. : 102801002071 | IFSC : ICIC0001028,
Branch : Andheri link Road Mumbai

GooglePay, Paytm 8657458183

UPI QR Code

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر
"Welcome to Knowledge. Welcome to Understanding"

Gala No.6, Swastik Chambers, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noor Jahan-1, Pipe Road, Kurla (W), Mobile : 8080807836

Andheri Bakery Compound, Opp. Surbhi Vada Pav, Andheri Station Road Jama Masjid, Andheri (W), Mobile : 8080801882

iic mumbai | mumbaiiic | mumbaiiic | iic mumbai official | islamsmessage | iic mumbai

Date of Publication : 1st of Every Month
RNI No.-MAHURD/2011/49433 Postal Registration No. : MCE/281/2022-24
Posted on 4th and 5th of Every Previous Month

الحمدللہ اسلامک انفارمیشن سینٹر، ممبئی کا دعاؤں واذکار پر مشتمل اسلامی کلینڈر ۲۰۲۴ء منظر عام پر آچکا ہے۔

Calander Order Karne Ke liye Contact Karen ۔ کلینڈر حاصل کرنے کے لئے رابطہ کریں۔

9773112909 | 8080807836 | 7045788254

If Undelivered Please Return To

Ahlus Sunnah

Managed by : ILM Foundation

Islamic Information Centre
Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjahan-1, Pipe Road, Kurla (W), Mumbai-400070
Phone : 8080807836, 8080801882

To,